جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

لِّیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ

القرآن الحکیم ۶۵:۱۲

النور

تبلیغ ۱۳۸۷ ہش
فروری ۲۰۰۸ء

مصلح موعودؓ نمبر
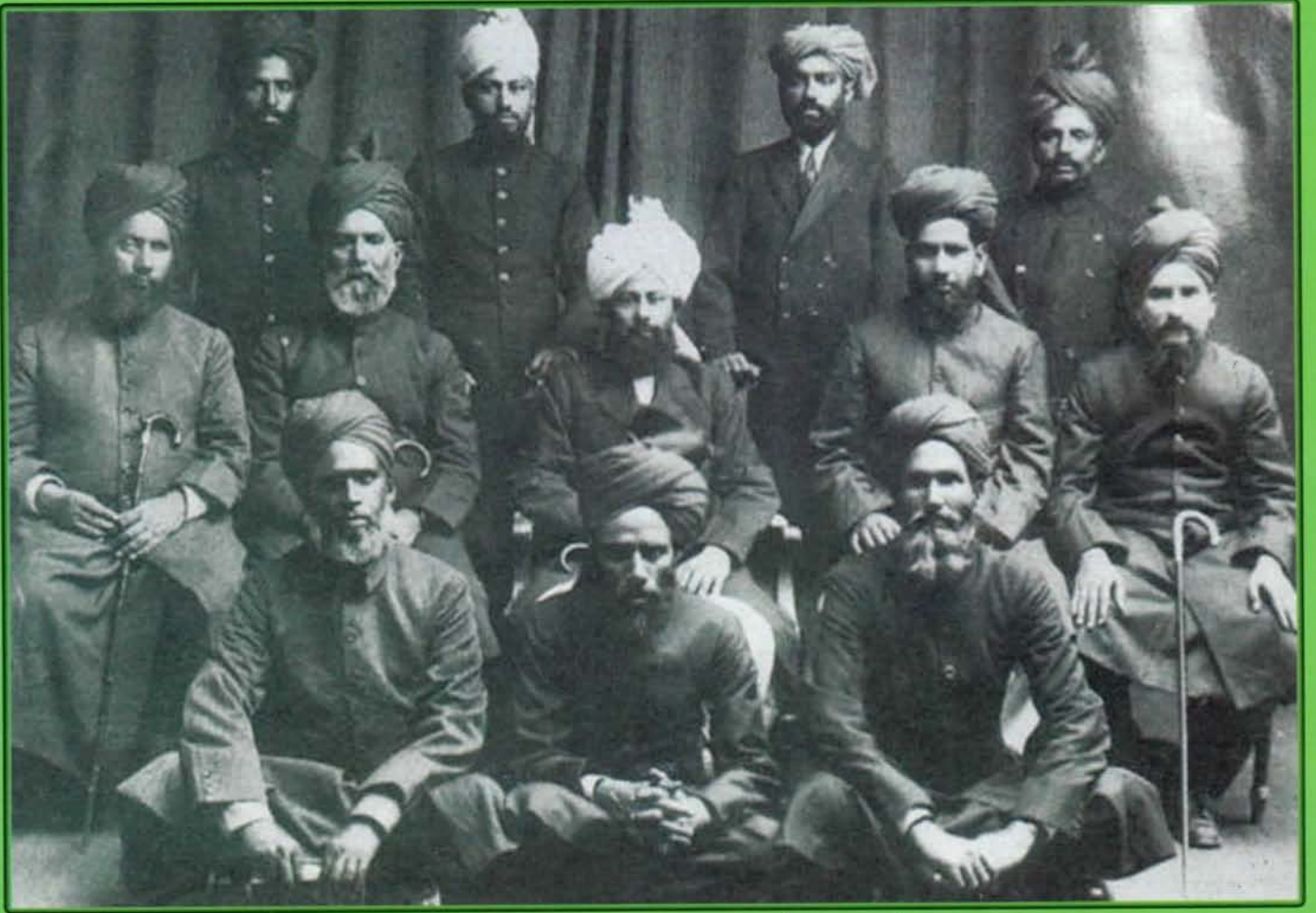
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ (لندن 1924)

2007-National Ijtema Majlis Ansarullah USA, Held at Baitun Nasir Mosque, Columbus, Ohio

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ (2:258)

النـــور

فروری 2008
جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرست

نگران: ڈاکٹر احسان اللہ ظفر
امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر نصیر احمد
مدیر: ڈاکٹر کریم اللہ زیروی
ادارتی مشیر: محمد ظفر اللہ ہنجرا
معاون: حسنیٰ مقبول احمد

لکھنے کا پتہ:
Editors Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
karimzirvi@yahoo.com

فَاِذَا رَکِبُوۡا فِی الۡفُلۡکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۚ فَلَمَّا نَجّٰہُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اِذَا ہُمۡ یُشۡرِکُوۡنَ ﴿ۙ۶۶﴾

(العنکبوت:66)

پس جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں اُسی کیلئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لے جاتا ہے تو اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

{700 احکام خُداوندی صفحہ 49}

قرآن کریم

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ق غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ O

(البقرة: 286)

جو کچھ بھی اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس پر وہ خود (بھی) ایمان رکھتا ہے اور (دوسرے) مومن بھی (ایمان رکھتے ہیں)۔ یہ سب (کے سب) اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) کہ ہم اُس کے رسولوں میں سے ایک (دوسرے) کے درمیان (کوئی) فرق نہیں کرتے اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سُن لیا ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ (یہ لوگ دعائیں کرتے ہیں کہ) اے ہمارے ربّ ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔

تفسیر: حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار بھی انسان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنا دیتا ہے۔ پس خواہ کوئی نبی تشریعی ہو یا غیر تشریعی پہلے زمانہ میں آ چکا ہو یا آئندہ زمانہ میں آئے ہر ایک کا ماننا ضروری ہے۔ بیشک مدارج کے لحاظ سے ان میں بڑا فرق ہے جس مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اُس مقام پر نہ موسیٰ علیہ السلام ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام اور نہ کوئی اور نبی۔ مگر جہاں تک نفسِ ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح بغیر کسی فرق کے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور اس لحاظ سے انبیاء میں کسی قسم کی تفریق پیدا کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح خدائی کلام پر عمل کرنے کے لحاظ سے بھی انبیاء میں کسی قسم کا کوئی امتیاز کرنا جائز نہیں۔ بیشک اُن کے درجات مختلف ہوں۔ لیکن ان پر کلام نازل کرنے والا چونکہ ایک ہی ہے اس لئے یہ فرق کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں کہ مثلاً! فلاں نبی چونکہ درجہ میں بڑا ہے اس لئے اس پر نازل ہونے والے کلام کو تو ہم مانیں گے لیکن فلاں نبی چونکہ درجہ میں چھوٹا ہے اس لئے اس پر نازل ہونے والے کلام کو ماننا ہمارے لئے ضروری نہیں۔ اس قسم کا احمقانہ فرق کرنا ایسا ہی ہے جیسے مثلاً کوئی کہے کہ میرے افسر نے فلاں حکم چونکہ رجسٹری کے ذریعہ نہیں بھیجا بلکہ عام ڈاک میں بھیجا ہے اس لئے میں نے اس کی تعمیل نہیں کی۔ کیا جاہل سے جاہل شخص بھی اس قسم کا عذر پیش کر سکتا ہے اور کیا اسے تسلیم کرنے کیلئے کوئی تیار ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر خدائی کلام کے متعلق یہ فرق کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی مومنوں کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ یعنی وہ احکام الٰہیہ کی اطاعت میں ایک ذرا سی غفلت اور سستی بھی گوارا نہیں کرتے بلکہ ادھر اللہ تعالیٰ کا حکم سنتے ہیں اور اُدھر کہتے ہیں سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ اے ہمارے رب! ہم نے تیرا حکم سُن لیا اور ہم اس کے دل سے فرمانبردار ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 654-655)

احادیث مبارکہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَکَانَ یَقُوْلُ: اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا۔

(بخاری کتاب الادب باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نہ تو خود حد سے بڑھتے تھے اور نہ حد سے بڑھنا پسند کرتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے تم میں سے وہ بہتر ہے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔

(ترمذی ابواب البر و الصلۃ باب فی معاشرۃ الناس)

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جہاں بھی تم ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر کوئی برا کام کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرنے کی کوشش کرو یہ نیکی اس بدی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: کُنْ وَرِعًا تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَکُنْ قَنِعًا تَکُنْ اَشْکَرَ النَّاسِ وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا وَاَحْسِنْ مُجَاوَرَةَ مَنْ جَاوَرَکَ تَکُنْ مُسْلِمًا وَاَقِلَّ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ۔

(قشیریہ باب القناعۃ صفحہ81)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا متقی بنو۔ سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے، قناعت اختیار کرو سب سے زیادہ شکر گزار سمجھے جاؤ گے۔ لوگوں کیلئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو حقیقی مومن کہلاؤ گے۔ اچھے پڑوسی بنو سچے مسلمان کہلاؤ گے۔ کم ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پیشگوئی مصلح موعود

''مَیں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرّعات کو سُنا۔ اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔ موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس رُوح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اُسکے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دَولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم ہوگا۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزندِ دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسُوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔''

(اشتہار 20 فروری 1886 مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل)

منظوم کلام حضرت امام الزمان علیہ السلام

مری اُس نے ہر اک عزت بنا دی　　مخالف کی ہر اک شیخی مٹادی
مجھے ہر قسم سے اُس نے عطا دی　　سعادت دی، ارادت دی، وفا دی
ہر اک آزار سے مجھ کو شفا دی　　مرض گھٹتا گیا جوں جوں دَوا دی
محبت غیر کی دل سے ہٹا دی　　خُدا جانے کہ کیا دِل کو سنادی
دوا دی اور غذا دی اور قبا دی
فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

مجھے کب خواب میں بھی تھی یہ اُمید　　کہ ہوگا میرے پر یہ فضلِ جاوید
ملی یُوسف کی عزت لیک بے قید　　نہ ہو تیرے کرم سے کوئی نومید
مراد آئی ، گئی سب نامرادی
فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

میں کیونکر گن سکوں تیری عنایات　　ترے فضلوں سے پُر ہیں میرے دن رات
مری خاطر دکھائیں تُونے آیات　　ترحّم سے مری سُن لی ہر اک بات
کرم سے تیرے دُشمن ہوگئے مات　　عطا کیں تُونے سب میری مُرادات
پڑا پیچھے جو میرے غولِ بدذات　　پڑی آخر خود اُس مُوذی پہ آفات
ہُوَا انجام سب کا نامُرادی
فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(دُرِّ ثمین)

وہ وقت آگیا ہے جب ہمارا قدم نہایت بلند مقام کی طرف اٹھے گا

جلسہ سالانہ 1944 میں سیدنا حضرت مصلح موعود کے خطاب سے چند اقتباسات

''اس نازک وقت اور نازک مقام کی وجہ سے جماعت کی ذمہ داریاں بہت اہم ہیں اور آج آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ یا تو ہمارا قدم نہایت بلند مقام کی طرف اٹھے گا۔ یا پھر نیچے کو گر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور ارادہ کے ماتحت اس بات کا ارشاد فرمایا کہ میں اعلان میں اقرار کروں گا کہ میں وہی ہوں جس کے متعلق حضرت بانی جماعت احمدیہ نے 20 فروری 1886 کے اعلان میں خبر دی ہے۔ اور جس کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''میں تجھے رحمت کا ایک نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا۔ اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی۔''

پھر فرمایا:

''تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام تجھے ملے گا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔''

''سو خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے ماتحت مَیں نے پہلے بھی اعلان کیا اور اس موقع پر بھی اعلان کرتا ہوں کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کی اس پیشگوئی کا میں ہی مصداق ہوں مجھے کسی دعوے کی ضرورت نہیں۔ اور کسی عزت کی خواہش نہیں۔ میری تو ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت میں جان دے دوں۔ اور محمد ﷺ کی کھوئی ہوئی وراثت آپؐ کے حضور پیش کر دوں۔ مَیں نے بارہا اپنے مولیٰ سے التجا کی ہے اور ہمیشہ کرتا رہتا ہوں کہ الٰہی اگر میری مٹی بھی کسی ذلیل ترین مقام پر پھینک دینے سے محمد ﷺ کے دین کی کچھ خدمت ہو سکتی ہے تو میری کسی لحاظ سے بھی کوئی پرواہ نہ کر، اور محمد ﷺ کے مقام کی عزت کیلئے جو بھی قربانی لی جانی ضروری ہو۔ وہ مجھ سے لے لے اور مجھے توفیق دے کہ میری زندگی اور میری موت تیرے لئے اور تیرے رسول کیلئے ہو اور میری ہی نہیں میرے دوستوں اور میرے عزیزوں کی زندگیاں بھی اسی کیلئے ہوں۔ ہم تیرے دین کیلئے تیرے محمد ﷺ کے دین کے قائم کرنے والے ہوں۔ پس اَب میں دعا کر کے اس جلسہ کا افتتاح کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ ہماری حقیر قربانیوں کو قبول فرمائے ہمارے دلوں میں کامل یقین اور ایمان پیدا کرے۔ ہم سب کو روحانی بینائی عطا کرے۔ کوئی ہم میں سے نابینا نہ مرے۔ وہ ہماری آنکھیں اس طرح کھول دے کہ ہمارے سوتے جاگتے زندہ رہتے اور مرتے وقت خدا تعالیٰ ہمارے سامنے رہے اور وہ کسی وقت بھی ہم سے مخفی نہ ہو۔ کیونکہ اس سے ایک منٹ کی دُوری بھی تباہی ہے۔ مادی ہزار آنکھ بھی اگر پھوٹ جائے تو ہمیں کوئی پرواہ نہیں مگر دین کی آنکھ ضائع نہ ہو۔ ہر حسین چہرہ ہم سے اوجھل ہو جائے تو ہو جائے مگر خدا تعالیٰ کا چہرہ اوجھل نہ ہو۔۔۔ لجنہ اماء اللہ کو چاہیئے کہ عورتوں میں یہ تلقین جاری رکھیں کہ نمازوں کی پوری طرح پابندی کریں۔ دعاؤں میں مصروف رہیں۔ پردہ کا خیال رکھیں۔ ایسے ہجوم میں پردہ کا خیال کم رکھا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہمارا کام اسلام کو قائم کرنا ہے تو اسی صورت میں قائم کرنا ہے جس میں محمد رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا۔ ورنہ اگر کسی اور شکل میں قائم کریں گے تو یہ اسلام کی خدمت نہ ہوگی۔ بلکہ اسلام کی دشمنی ہوگی اور ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے خادم نہ ہوں گے۔ بلکہ آپؐ کے دشمن ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے افعال سے بچائے جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی ناراضی کا موجب ہوں۔ اور ایسے افعال کی توفیق دے جو خدا اور اس کے رسول کو خوش کرنے والے ہوں۔''

(الفضل قادیان 30 دسمبر 1944)

خطبہ جمعہ

خلیفہ وقت کی مجلس میں بیٹھنے والوں کیلئے چند ضروری آداب

جب رسول کریم ﷺ کلام کررہے ہوتے تو صحابہ ہمہ تن گوش ہوجاتے۔ اوریوں معلوم ہوتا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اگر انہوں نے ذرا حرکت کی تو پرندے اُڑجائیں گے۔

مجلس کو مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مشکل مسائل درپیش ہوں تو ان کے متعلق سوال کرنا چاہیئے۔ جب گفتگو ہور ہی ہو تو اس وقت دخل نہیں دینا چاہیئے اور کسی کی غلطی معلوم کرکے اس پر ہنسنا نہیں چاہیئے۔

خطبہ جمعہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ؓ فرمودہ 21 اپریل 1933

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

(البقرۃ:106.105)

بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے کلام اور اپنی تحریر پر قابو نہیں رکھتے۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ صوفیاء کا قول ہے۔ ”الطریقة کلها ادب“ تو جب تک انسان اپنے قول اور تحریر پر قابو نہیں رکھتا اور نہیں جانتا کہ اسکی زبان اور قلم سے کیا نکل رہا ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں وہ تو حیوان سے بھی بدتر ہے کیونکہ جانور بھی خطرہ کی جگہوں سے بچتا ہے لیکن انسان مآل اندیشی سے ہرگز کام نہیں لیتا۔ جانور کو کسی خطرہ کی جگہ مثلاً غار کی طرف کھینچیں تو وہ ہرگز ادھر نہیں جائے گا۔ مولوی رومی صاحب نے اپنی مثنوی میں ایک مثال لکھی ہے کہ ایک چوہا ایک اونٹ کو جس طرف وہ اونٹ جا رہا تھا ادھر ہی اس کی نکیل پکڑ کر لے چلا۔ لیکن جب راستہ میں ندی آئی تو اونٹ نے اپنا رُخ پھیر لیا اور چوہا ادھر گھسٹتا ہوا چلنے لگا جدھر اونٹ جا رہا تھا تو ایک چوہا بھی ایک اونٹ کو جہاں خطرہ نہ ہو لے جا سکتا ہے مگر جہاں خطرہ ہو وہاں چوہا تو کیا ایک طاقتور آدمی بھی اونٹ کو نہیں لے جا سکتا۔ یا شکرے یا باز جس وقت آتے ہیں تو جانور درختوں میں اس طرح دُبک کر بیٹھتے ہیں گویا وہاں کوئی جانور ہے ہی نہیں مگر انسانوں

میں ایک ایسی جماعت ہے جو بات کہتی ہے اور نہیں سمجھتی کہ اس کا کیا مطلب ہے حالانکہ اکثر اوقات ذراسی غلطی خطرناک نتائج پیدا کر دیا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے مومنو! دو معنی والے لفظ رسول کے مقابلہ میں استعمال نہ کرو۔ ورنہ تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن تھے اس لئے فرمایا کہ تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ فرمایا کہ تم اگر چہ اس وقت مومن ہو لیکن اگر تم نے اپنی زبانوں پر قابو نہ رکھا تو یاد رکھو کہ ہم تمہیں کافر بنا کے دُکھ کے عذاب میں مبتلا کر کے ماریں گے مومن سے شروع کیا لیکن اس غلطی کے باعث کفر پر انجام ہوا۔ پس انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول کا نگران ہو۔ ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ زبان سے تو اقرار کرتے ہیں اور تحریر و تقریر میں خلیفۃ المسیح کہتے ہیں مگر جو حق اطاعت ہے اس سے بہت دُور ہیں زبانی خلیفۃ المسیح کہنا یا لکھنا کیا کچھ حقیقت رکھتا ہے؟ شیعوں نے لفظ خلیفہ کے استخفاف اور ہنسی کے لئے نائیوں اور درزیوں تک کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا۔ لیکن کیا خلفاء ان لوگوں کی ہنسی سے ذلیل ہو گئے ہرگز نہیں۔ لوگوں نے اس لفظ خلیفہ کو معمولی سمجھا ہے مگر خدا کے نزدیک معمولی نہیں۔ خدا نے ان کو بزرگی دی ہے اور کہا ہے کہ میں خلیفہ بناتا ہوں اور پھر فرمایا:

مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ

(النور: 56)

ان خلفاء کے انکار کا نام فسق ہے جو انکا انکار کرے گا وہ میری اطاعت سے باہر ہو گیا۔

پس لفظ خلیفہ کچھ نہیں لوگ نائی کو بھی خلیفہ کہتے ہیں۔ مگر وہ خلفاء جو خدا کے ماموریں کے جانشین ہوتے ہیں ان کا انکار اور ان پر ہنسی کوئی معمولی بات نہیں وہ مومن کو بھی فاسق بنا دیتی ہے پس یہ مت سمجھو کہ تمہارا اپنی زبانوں اور تحریروں کو قابو میں نہ رکھنا اچھے نتائج پیدا کر دے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو اپنی جماعت سے علیحدہ کر دوں گا۔ فاسق کے معنے ہیں کہ خدا سے کوئی تعلق نہیں اس کو خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو انتظام ہو جو شخص اس کی قدر نہیں کرے گا اور اس انتظام پر خواہ مخواہ اعتراضات کرے گا خواہ وہ مومن بھی ہو اور جو اس کے متعلق بولتے وقت اپنے الفاظ کو نہیں دیکھے گا تو یاد رکھو کہ وہ کافر ہو کر مرے گا۔ اس آیت میں رسول کریم مخاطب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقُوْلُوْا رَاعِنَاوَقُوْلُو انْظُرْنَا ط

مگر جس کے لئے ادب کا حکم ہوتا ہے وہ بھی اس آیت میں داخل ہوتا ہے خدا نے حضرت ابو بکرؓ کو اس مقام پر کھڑا کیا تھا جو ادب کی جگہ تھی۔ جس وقت اختلاف شروع ہؤا۔ آپ نے کہا کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑوں گا خواہ تمام جہان میرے برخلاف ہو جائے۔ جب تک یہ لوگ اگر ایک رسی بھی جو آنحضرتؐ کو دیتے تھے نہیں دیں گے پس یہ مت سمجھو کہ حفظِ مراتب نہ کرنا کوئی معمولی بات ہے اور کسی خاص شخص سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ خواہ دینی ہو یا دنیاوی خلافت جب ان کیلئے ادب کا حکم ہے سب کیلئے ضروری ہے کہ اس کا ادب کیا جائے۔ کوئی شخص اگر بادشاہ کا ادب نہیں کرے گا تو جانتے ہو وہ سزا سے بچ جائے گا؟

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ انشاء اللہ خان بڑا شاعر تھا اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کیا کرتا تھا کہ بادشاہ کی تعریف میں دوسروں سے بڑھ کر بات کہے دربار میں بادشاہ کی تعریف ہونے لگی کسی نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کیسے نجیب ہیں۔ انشاء اللہ خان نے فوراً کہا نجیب کیا حضور تو انجب ہیں۔ اب انجب کے معنے زیادہ شریف کے ہیں اور ساتھ ہی لونڈی زادہ کے بھی۔ اتفاق یہ ہؤا کہ بادشاہ تھا بھی لونڈی زادہ۔ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور سب کی توجہ لونڈی زادہ کی طرف ہی پھر گئی۔ بادشاہ کے دل میں بھی یہ بات بیٹھ گئی اور انشاء اللہ خان کو قید کر دیا جہاں وہ پاگل ہو کر مر گیا۔

پس زبان سے محض خلیفۃ المسیح خلیفۃ المسیح کہنا کچھ نہیں۔ مجھے آج ہی ایک خط آیا ہے جس میں اس خط کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ غریب سمجھ کر ہمارے خلاف کیا ہے۔ اب اگر فی الواقعہ ایسی ہی بات ہو کہ کوئی شخص فیصلوں میں درجوں کا خیال رکھے تو وہ تو اوّل درجہ کا شیطان اور خبیث ہے چہ جائیکہ اس کو خلیفہ کہا جائے۔ دیکھو میں نے ان لوگوں کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی جو

میرے خیال میں سلسلہ کے دشمن تھے۔ پس میں کسی انسان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ خواہ سب کے سب مجھ سے علیحدہ ہو جائیں کیونکہ مجھ کو کسی انسان نے خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خدا نے ہی خلیفہ بنایا ہے۔ اگر کوئی انسان کی ہی حفاظت میں آئے تو انسان اسکی کچھ حفاظت نہیں کرسکتا۔ خدا ایسے شخص کو ایسے امراض میں مبتلا کرسکتا ہے جن میں پڑ کر بُری طرح جان دے۔

میں اس خلافت کو جو کسی انسان کی طرف سے ہو لعنت سمجھتا ہوں۔ نہ مجھے اس کی پرواہ ہے کہ مجھے کوئی خلیفۃ المسیح کہے۔ میں تو اس خلافت کا قائل ہوں جو خدا کی طرف سے ملے۔ بندوں کی دی ہوئی خلافت میرے نزدیک ایک ذرّہ کے بھی برابر قدر نہیں رکھتی۔ مجھے کہا گیا ہے کہ میں انصاف نہیں کرتا۔ غریبوں کی خبر گیری نہیں کرتا۔ پس اگر میں عادل نہیں ہوں تو میرے ساتھ کیوں تعلق رکھتا ہے۔ جو عدل نہیں کرتا وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ایسے لوگوں کا مجھے کوئی نقصان نہیں مجھے تو اس سے بھی زیادہ لکھا گیا ہے۔ قاتل مجھ کو کہا گیا۔ سلسلہ مٹانے والا غاصب اور اسی قسم کے اور بُرے الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا گیا ہے پس اس کے مقابلہ میں تو یہ کچھ بھی نہیں۔

ہر ایک وہ شخص جو مقدمہ کرتا ہے وہ اپنے تئیں ہی حق پر سمجھتا ہے۔ لیکن عدالت جو فیصلہ کرتی ہے وہ اس کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْ مَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ

(النساء: 66)

جب تک یہ لوگ کامل طور پر تیرے فیصلوں کو نہ مان لیں یہ مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ جب لوگوں کو عدالتوں کے فیصلوں کو ماننا پڑتا ہے تو خدا کی طرف سے مقرر شدہ خلفاء کے فیصلوں کا انکار کیوں۔ اگر دنیاوی عدالتیں سزا دے سکتی ہیں تو کیا خدا نہیں دے سکتا خدا کی طرف سے فیصلہ کرنے والے ہاتھ میں تلوار ہے مگر وہ نظر نہیں آتی اس کی کاٹ ایسی ہے کہ دُور تک صفایا کر دیتی ہے۔ دنیاوی حکومتوں کا تعلق صرف یہاں تک ہے مگر خدا وہ ہے جس کا آخرت میں بھی تعلق ہے۔ خدا کی سزا گو نظر نہ آوے مگر حقیقت میں بہت سخت ہے۔ اپنی تحریروں اور تقریروں کو قابو میں لاؤ اگر تم خدا کی قائم کی ہوئی خلافت پر اعتراض کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو خدا تمہیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑے گا جہاں تمہاری نظر بھی نہیں جاسکتی وہاں خدا کا ہاتھ پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں فہم دے اپنے آپ کو اور اس شخص کے درجہ کو جو تمہارے لئے کھڑا کیا گیا ہے پہچانو۔ کسی شخص کی عزت اس شخص کے لحاظ سے نہیں ہوا کرتی۔ آنحضرت ﷺ کی عظمت اس لئے نہیں کہ آپ عرب کے باشندہ تھے اور عبداللہ کے بیٹے تھے بلکہ اس درجہ کے لحاظ سے ہے جو خدا نے آپؐ کو دیا تھا۔ اسی طرح میں ایک انسان ہوں اور کوئی چیز نہیں مگر خدا نے جس مقام پر مجھ کو کھڑا کیا ہے۔ اگر تم ایسی باتوں سے نہیں رکو گے تو خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ بعض باتیں معمولی ہوتی ہیں مگر خدا کے نزدیک بڑی ہوتی ہیں۔ خدا تم کو سمجھ دے، آمین۔

(الفضل 7 جولائی 1917)

چونکہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھ رہی ہے اور نئے اور پرانے ہر قسم کے دوست قادیان میں آتے رہتے ہیں' یہاں کے باشندوں کی تعداد بھی اب اتنی ہو چکی ہے کہ وہ اس بات کے محتاج ہیں کہ وقتاً فوقتاً ان کی تربیت کا خیال رکھا جائے۔ کیونکہ انہیں دینی کتب کے پڑھنے' دینی باتیں سننے اور دینی تربیت حاصل کرنے کا بوجہ کثرت آبادی اتنا موقع نہیں ملتا جتنا پہلے ملا کرتا تھا' اس لئے آج کا خطبہ مَیں اس امر کے متعلق پڑھنا چاہتا ہوں کہ جو دوست اُس مجلس میں شامل ہوتے ہیں جس میں مَیں موجود ہوتا ہوں' ان کو کیا طریقِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ پہلی بات جو ہمارے دوستوں کو مدِّ نظر رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ مجھ سے ملنے والے نہ صرف احمدی ہوتے ہیں بلکہ غیر احمدی' ہندو' سکھ اور عیسائی ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر احمدیوں میں سے نئے بھی ہوتے ہیں اور پرانے بھی۔ سمجھدار طبقہ کے بھی ہوتے ہیں اور کم سمجھ کے بھی۔ واقف بھی ہوتے ہیں اور ناواقف بھی۔ ایسے لوگوں کی گفتگوئیں کبھی علمی رنگ کی ہوتی ہیں اور کبھی کج بحثی والی' کبھی ان میں تحقیق حق مدِّ نظر ہوتی ہے اور کبھی محض چھیڑ خوانی مقصد ہوتا ہے۔ مگر خواہ کوئی بھی مقصد و مدعا ہو' دو باتیں ہیں جو ہماری جماعت کے ان لوگوں کو جو اس مجلس میں موجود ہوں مدِّ نظر رکھنی چاہئیں۔ اور جو مجھے افسوس ہے کہ بعض اوقات دوستوں کے مدِّ نظر نہیں رہتیں۔

اوّل تو یہ کہ جب کوئی کلام امام کی موجودگی میں کرتا ہے اور امام کو مخاطب کر کے کرتا ہے تو دوسروں کا حق نہیں ہوتا کہ وہ خود اس میں دخل دیں اور مخاطب کو خود اپنی طرف مخاطب کر کے اس سے گفتگو شروع کر دیں۔ علاوہ اس کے کہ یہ عام

آداب کے خلاف ہے، دشمن کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ امام خود جواب نہیں دے سکتا اور اس کے معتقدین کو ضرورت پیش آتی ہے کہ اس کے حملہ کو اپنے اوپر لے لیں۔ چنانچہ ایک دوست کی ایسی ہی سادگی کی وجہ سے ایک دفعہ مجھے یہ بات بھی سننی پڑی۔ کوئی صاحب اعتراض کر رہے تھے کہ ایک جوشیلے احمدی بول اٹھے یہ بات تو بالکل صاف ہے، اس کا تو یہ مطلب ہے۔ آخر سوال کرنے والے نے چڑ کر کہا میں تو آپ کے امام سے مخاطب ہوں۔ اگر وہ جواب نہیں دے سکتے تو میں آپ سے گفتگو شروع کر دیتا ہوں۔ یہ فقرہ اُس دوست نے اپنی سادگی یا بیوقوفی کی وجہ سے کہلوایا۔ کیونکہ عام آداب کے یہ خلاف ہے کہ کسی کی گفتگو میں دخل دیا جائے۔ یہ محض اعصابی کمزوری کی علامت ہوتی ہے اور اس کے اتنے ہی معنے ہوتے ہیں کہ ایسا شخص اپنے جذبات کو دبا نہیں سکتا۔ ایسی دخل اندازی اس کے علم پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کی کمزوری اور کم فہمی پر دلالت کرتی ہے۔ پس ہمیشہ اس امر کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ جب امام کی مجلس میں امام سے گفتگو ہو رہی ہو تو سب کو خاموش ہو کر سامع کی حیثیت اختیار کرنی چاہیئے اور کبھی اس میں دخل اندازی کر کے خود حصہ نہیں لینا چاہیئے سوائے اس صورت کے کہ خود امام کی طرف سے کسی کو کلام کرنے کی ہدایت کی جائے۔ مثلاً بعض دفعہ کوئی ضروری کام آ پڑتا ہے، اس کیلئے مخاطب کرنا پڑتا ہے یا بعض دفعہ قرآن کی کسی آیت کی تلاش کیلئے اگر کوئی حافظِ قرآن ہوں تو ان سے آیت کا حوالہ پوچھنا پڑتا ہے۔ یا ہوسکتا ہے کہ کسی کو عیسائیت کی کتب کے حوالہ جات بہت سے یاد ہوں اور ضرورت پر اس سے کلام کرنی پڑے۔ ایسی حالتوں میں سامعین میں سے بھی بعض شخص بول سکتے ہیں مگر عام حالات میں دخل اندازی بالکل ناواجب ہوتی ہے۔ ہماری شریعت نے ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا ہے چنانچہ خطبوں کے متعلق بھی رسول کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ اس دوران کلام نہیں کرنی چاہیئے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب الانصات یوم الجمعة والامام یخطب، ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰة باب ما جاء فی الاستماع للخطبة والانصات)

غرض جب امام سے گفتگو ہو رہی ہو تو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے کیونکہ اس طرح یا تو بات ناقص اور ادھوری رہ جائے گی اور یا دشمن پر یہ اثر پڑے گا کہ شاید امام اس کا جواب نہیں دے سکتا اور معتقدین نے گھبرا کر اس حملہ کو اپنی طرف منتقل کر لیا ہے پس ایک تو اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

دوسرے اس امر کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ مُخَاطِبُ اور مُخَاطَبُ کا ایک تعلق ہوتا ہے۔ وہ آپس میں بعض دفعہ مجبوریوں کی وجہ سے ایک رنگ کی شدت کا پہلو بھی اختیار کر لیتے ہیں یا اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر سامعین کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیئے اور دوسرے کی گفتگو پر ہنسنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ گفتگو کا اصل مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو ہدایت حاصل ہو۔ لیکن اگر گفتگو کے ضمن میں ایسا رنگ پیدا ہو جائے جس سے اس کے دل میں تعصّب پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، تو وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے نوجوان اور خصوصاً طالب علم، اگر بعض دفعہ کوئی ایسا جواب دیا جا رہا ہو جو دوسرے کے کسی نقص کو نمایاں کرنے والا ہو، تو ہنس پڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سائل سمجھتا ہے مجھے لوگوں کی نگاہ میں بیوقوف بنایا گیا۔ اور اُن کے ہنس پڑنے سے وہ خیال کرتا ہے کہ اس گفتگو کا مقصد ہنسی اُڑانا ہے، بات سمجھنا مدنظر نہیں۔ اس وجہ سے اس کے اندر نفسانیت کا جذبہ پیدا ہو جاتا اور حق کے قبول کرنے سے وہ محروم رہ جاتا ہے۔ پس جو لوگ ایسے موقع پر جبکہ امام کسی کو ہدایت دینے کی فکر میں ہوتا ہے، ہنس پڑتے ہیں وہ دراصل اس شخص کو ہدایت سے محروم کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہنسی ایک معمولی چیز ہوتی ہے مگر جس پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے، اسکے نزدیک خطرناک حملہ ہوتا ہے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ اگر دورانِ گفتگو میں کوئی ایسا جواب دیا جائے جس سے ہنسی آ سکتی ہو یا دوسرے کی کسی کمی کو نمایاں کر کے دکھایا جائے تو وہ اپنے جذبات کو دبائے رکھیں۔ جواب دینے والا تو مجبور ہے کہ وہ ایسے نمایاں طور پر کسی کا نقص بیان کرے کہ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے مگر ہنسنے والا اس مقصد پر پردہ ڈال دیتا اور سائل یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کا مقصد مجھے غلطی بتانا نہیں بلکہ بیوقوف بنانا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے صحابہ کے متعلق ایک حدیث آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

(بخاری کتاب الجهاد باب فضل النفقة فی سبیل الله)

اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ سوالات نہیں کرتے تھے۔ ان سے زیادہ سوال کرنے والا ہمیں کوئی نظر نہیں آتا۔ حدیثیں ان کے سوالات سے بھری پڑی ہیں بلکہ اس

کے معنی یہ ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کلام کر رہے ہوتے تو وہ ہمہ تن گوش ہوجاتے۔ اور یوں معلوم ہوتا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اگر انہوں نے ذرا حرکت کی تو پرندے اُڑ جائیں گے۔

تیسری چیز جس کو مدنظر رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ جو لوگ چند دنوں کیلئے عارضی طور پر باہر سے یہاں آتے ہیں ان کو آگے بیٹھنے کا زیادہ موقع دینا چاہیئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ قادیان کے لوگ آگے نہ بیٹھا کریں بلکہ ان کے ایک حصہ کا آگے بیٹھنا ضروری ہوتا ہے اور دوسرے حصہ میں سے اگر کوئی شخص کوشش کر کے آگے بیٹھتا اور اس طرح اپنے حق کو مقدم کر لیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے اس حق سے محروم کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اگر کسی کو متواتر آگے بیٹھنے کا موقع ملتا رہے تو آخر میں وہ سست ہوجاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص متواتر آگے بیٹھنے کے باوجود سُست نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ کوشش کر کے آگے جگہ حاصل کرتا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ محض اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ آگے بیٹھا کرتا ہے اُس کی محبت کو مسل دیا جائے اور اس کے جذبہء اخلاص کی قدر نہ کی جائے۔ پس ہم ایسے لوگوں کی محبت کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ کا واقعہ ہے غرباء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمیں ایک بڑی مشکل نظر آتی ہے جب ہم جہاد کیلئے جاتے ہیں تو امراء بھی جہاد کیلئے چل پڑتے ہیں۔ جب روزوں کا وقت آتا ہے تو ہمارے ساتھ یہ بھی روزوں میں شریک ہوجاتے ہیں۔ جب نمازیں پڑھتے ہیں تو یہ بھی اخلاص سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر یا رسول اللہ! جب چندہ دینے کا وقت آتا ہے تو ہم کچھ نہیں دے سکتے اور یہ ہم سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں بڑی تکلیف ہے اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مال کی وجہ سے انہیں جو فوقیت حاصل ہے، اس کا ہم کیا جواب دیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہ اَلْحَمْدُلِلّٰہ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ لیا کرو۔ یہ سَو دفعہ ذکر الٰہی ہوجائے گا اور بڑے ثواب کا موجب ہوگا۔ انہوں نے بڑے شوق سے اس پر عمل شروع کر دیا۔ مگر چونکہ صحابہ میں سے ہر شخص نیکی کے حصول کیلئے کوشاں رہتا تھا۔ امراء کا کوئی ایجنٹ بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے اُنہیں جا کر بتا دیا کہ رسول کریم ﷺ نے یہ ذکر بتایا ہے اور انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ دنوں بعد پھر غرباء رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو امراء نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا جب خدا کسی پر اپنا فضل نازل کرنا شروع کر دے تو میں اسے کس طرح روک دوں۔

(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ)

باوجود اس کے کہ دولت انسان کو اعمال میں سست کر دیتی ہے اگر وہ سست نہیں ہوتے، بلکہ تقویٰ اور اخلاص میں بڑھ رہے ہیں تو میں انہیں نیکی سے کس طرح محروم کر سکتا ہوں۔ اسی طرح باوجود اس کے کہ متواتر صحبت انسان کو سست کر دیتی ہے اگر کوئی شخص اپنے اخلاص میں ترقی ہی کرتا چلا جاتا ہے تو کون ایسے شخص کو محروم کر سکتا ہے۔

پس میرا یہ منشاء نہیں کہ قادیان کے وہ مخلصین جو اپنے اوقات اور کاموں کا حرج کر کے اس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے برکات کے وعدے کئے ہیں اور پھر اپنے امام کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں، انہیں محروم کر دیا جائے بلکہ میرا منشاء صرف یہ ہے کہ باہر سے آنے والوں کے حق کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اور اگر کبھی قادیان کے مخلصین باری باری اپنا حق بھی چھوڑ کر باہر کے لوگوں کو آگے بیٹھنے کا موقع دے دیا کریں تو میرے نزدیک یہ ان کیلئے ثواب کا موجب ہوگا۔ پھر ایک اور چیز بھی ہے جس سے یہ موقع نکالا جا سکتا ہے۔ بچوں کے متعلق رسول کریم ﷺ کا یہ حکم ہے کہ وہ پیچھے رہیں۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الصبیان من الصف)

اس لحاظ سے سکولوں کے طالب علم جو چھوٹی عمر کے ہوں۔ اگر بعض دفعہ باہر سے آنے والے دوستوں کیلئے ان کو پیچھے بٹھا کر موقع نکالا جائے تو یہ بھی ایک طریق ہے جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مگر بچوں کے پیچھے بٹھانے میں بھی مَیں یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ ان کے اندر اخلاص کا جو جذبہ پیدا ہو رہا ہے اسے کُچل دیا جائے۔ پچھلے دنوں یہ طریق نکالا گیا تھا کہ میرے آنے پر چونکہ ہجوم زیادہ ہوجاتا ہے اس لئے قطار باندھ کر مصافحہ کیا جائے اور کسی کو آگے بڑھنے نہ دیا جائے۔ میں نے مستقل طور پر اسے کبھی پسند نہیں کیا کیونکہ جب جذبات کو دبا دیا جائے تو آہستہ آہستہ مُردنی پیدا ہوجاتی ہے۔ بچوں میں بھی اگر خلوص کے جذبات پیدا ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم انہیں دبا دیں۔ مگر یہ ایک ذریعہ ہے جس سے ہم دوسروں کیلئے موقع پیدا کر سکتے ہیں۔ بچے اور رنگ میں بھی فائدہ

حاصل کر سکتے ہیں اور بوجہ قادیان میں مستقل رہنے کے ان کیلئے اور مواقع پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس اگر باہر سے آنے والے لوگوں کیلئے رسول کریم ﷺ کے ایک ارشاد کے ماتحت بچوں کو پیچھے رکھا جائے۔ جبکہ اور موقعوں پر بھی وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اس سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

پھر ایک اور ہدایت اس موقع کے متعلق میں یہ دینا چاہتا ہوں کہ اسلام نے اجتماع کے موقعوں پر حفظان صحت کا خصوصیت سے خیال رکھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ حفظانِ صحت کا خیال نہ صرف اپنی ذات کیلئے مفید ہوتا ہے بلکہ دوسروں پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے بعض لوگ مضبوط ہوتے ہیں اور کئی قسم کی بدعنوانیاں کرنے کے باوجود ان کی صحت میں نمایاں خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ جس سے وہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ان پر کوئی برا اثر نہیں پڑا اس لئے دوسروں پر بھی کوئی خراب اثر اُن کی وجہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ دنیا میں سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے اندر بیماریوں کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔ اور اپنی قوت کی وجہ سے وہ ان کا اثر محسوس نہیں کرتے مگر ان سے ملنے والے ان کے اثرات سے متاثر ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے رسول کریم ﷺ نے جمعہ اور عیدین کے موقع پر فرمایا کہ نہا کر آؤ، اچھے کپڑے پہن کر آؤ، خوشبو استعمال کرو اور ان امور کی تاکید کی۔

(بخاری کتاب الجمعة باب الدهن للجمعة)

آپ خود ہمیشہ غسل کرتے اور دوسروں کو غسل کرنے کی تاکید فرماتے۔ خوشبو استعمال کرتے اور دوسروں کو خوشبو لگانے کی تاکید کرتے۔ حالانکہ جمعہ یا عیدین کے ساتھ غسل کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر وقت انسان غسل کر سکتا ہے اور ہر وقت خوشبو استعمال کر سکتا ہے۔ جمعہ اور عیدین کے ساتھ غسل جو رکھا گیا ہے وہ محض اس لئے کہ ان موقعوں پر جبکہ اژدہام ہوتا ہے کئی لوگوں کو جلدی بیماریاں ہوتی ہیں، بعض کو کھجلی ہوتی ہے، بعضوں کو بغل گند کی شکایت ہوتی ہے، بعضوں کے ہاتھ یا منہ وغیرہ میں بیماری ہوتی ہے، مگر تازہ بتازہ غسل کے ساتھ کچھ عرصہ کیلئے اس قسم کی بیماریاں دب جاتی ہیں۔ اور پاس بیٹھنے والے اتنی تکلیف محسوس نہیں کرتے جتنی دوسری صورت میں کر سکتے ہیں۔ یا مثلاً رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسجد میں گندنا (گندنا: ایک ترکاری کا نام جو لہسن سے مشابہ ہوتی ہے)۔ پیاز اور لہسن وغیرہ ایسی چیزیں کھا کر مت آیا کرو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں مضر نہیں لیکن ان کی بو سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ان کے کھانے سے فرشتے نہیں آتے

(مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب نهی من اکل ثوماً او بصلاً او کراثاً او نحوها)

جس کے معنے یہ ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو تکلیف دیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے ملائکہ اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے جو رسول کریم ﷺ نے دی۔ ورنہ اگر کسی کو کوئی ایسی بیماری ہے جس سے بُو پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کا وقتی علاج کر کے بھی مجلس میں نہیں آتا تو وہ فرشتوں کی معیت سے محروم رہتا ہے۔ عام طور پر مَیں دیکھتا ہوں ہمارے ملک میں پچانوے فیصدی لوگوں کے مُنہ سے بدبُو آتی ہے یہ بدبُو کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ محض اس بے احتیاطی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ کھانے کے بعد کُلی نہیں کرتے یا درمیانی وقفوں میں اگر مٹھائی یا کوئی میوہ وغیرہ کھاتے ہیں تو اس کے بعد منہ کی صفائی نہیں کرتے۔ یا لمبے عرصہ تک خاموش رہنے اور منہ بند رکھنے کے بعد بھی منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ بھی صفائی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور جب مجلس میں ایسے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہر ایک کی تھوڑی تھوڑی بُو مِل کر ایسی تکلیف دہ چیز بن جاتی ہے کہ بیسیوں کمزور صحت والوں کو سر درد، نزلہ اور کھانسی وغیرہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔

اسلام نے ہمارے لئے ہر بات کے متعلق احکام رکھے ہیں۔ یہ احکام بیکار اور فضول نہیں بلکہ نہایت ضروری ہیں۔ اور انہی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مجموعہ کا نام تمدن ہے۔ اسلام تمدن کا نام نہیں، روزے کا نام نہیں، زکوٰۃ کا نام نہیں بلکہ ان چھوٹے چھوٹے احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو ایسا تغیر پیدا کر دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ سوسائٹی دوسری سوسائٹیوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔ یورپین لوگ یوں تو صفائی کے بڑے پابند ہیں مگر کھانا کھانے کے بعد منہ کی صفائی کرنے کے وہ بھی عادی نہیں۔ اور اس وجہ سے اگر ان کے ان پوڈروں اور یوڈی کلون وغیرہ خوشبوؤں کو نکال دیا جائے جو وہ اپنے چہروں پر ملتے ہیں تو صاف طور پر ان کے منہ سے بدبو محسوس ہوتی ہے۔ اب چونکہ انہیں ہندوستانیوں سے ملنے کا موقعہ ملا ہے، اس لئے آہستہ آہستہ ان میں یہ احساس

پیدا ہو رہا ہے اور مجھے بھی بعض انگریزوں سے ملنے کا موقعہ ملا ہے میں نے دیکھا ہے کہ اب مسلمانوں سے مل کر وہ صفائی کے اس پہلو کو بھی سیکھ رہے ہیں۔ غرض مجلس میں آنے والوں کو یہ امور مدنظر رکھنے چاہئیں اگر کسی شخص کو بغل گند ہو یا اُس کے ہاتھوں کی انگلیاں خراب ہوں اور ان میں ایسی بدبُو ہو جو دوسروں کو ناگوار گزرے تو اسے چاہیئے کہ وہ ایسی صفائی کے بعد مجلس میں آئے جس سے اس کے اثر کو کم سے کم مُضِر بنایا جاسکے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج پیدا کیا ہے لیکن اگر کسی کو علاج میسر نہیں آتا تو وہ عارضی صفائی کے بعد مجلس میں آیا کرے۔

پھر مجلس میں ان چیزوں کے بعد ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب لوگ بیٹھتے ہیں تو ایسا تنگ حلقہ بناتے ہیں کہ اس میں سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ مجلس میں زیادہ بیٹھنے کو میرا جی چاہا مگر تنگ حلقہ کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں مجھے سر درد ہو گیا اور میں اٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ اور بسا اوقات میں صحت کے ساتھ مجلس میں بیٹھتا ہوں اور بیمار ہو کر اٹھتا ہوں۔ ہر شخص اپنے اخلاص میں یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں ایک انچ آگے بڑھ گیا تو کیا نقصان ہے۔ اور اس طرح ہر شخص کے ایک ایک انچ بڑھنے سے وہی مثال ہو جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ ایک شخص کو وہم کی بیماری تھی۔ وہ جب باجماعت نماز میں کھڑا ہوتا تو کہتا ''چار رکعت نماز فرض پیچھے اس امام کے'' اور پھر خیال کرتا کہ امام اور میرے درمیان تو کئی صفیں ہیں' نیت ٹھیک نہیں ہوئی۔ یہ خیال کر کے وہ بڑھتے بڑھتے پہلی صف میں آجاتا۔ اور امام کو ہاتھ لگا کر کہتا پیچھے اس امام کے۔ پھر بڑھتے بڑھتے اس کے وہم کی یہاں تک کیفیت ہو جاتی کہ وہ امام کو دھکے دینے لگ جاتا اور کہتا جاتا پیچھے اس امام کے۔ ہر شخص مجلس میں آگے آنا چاہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرے ذرا سا آگے بڑھنے سے کیا نقصان ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حلقہ نہایت ہی تنگ ہو جاتا ہے اور صحت پر اس کا برا اثر پڑتا ہے مگر علاوہ اس کے کہ صحت کیلئے یہ مفید بات نہیں اسکا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ آدمی اس حلقہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مجھے ایسے حلقہ میں سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ مجھے گلے اور آنکھوں کی ہمیشہ تکلیف رہتی ہے۔ پھر یہ حلقہ تو بڑی بات ہے میری تو یہ حالت ہے کہ اگر لیمپ کی بتی خفیف سی بھی اونچی رہے اور اس سے ایسا دھواں نکلے جو نظر بھی نہ آسکتا ہو تو مجھے شدید کھانسی اور نزلہ ہو جاتا ہے۔ ناک کی حِس اللہ تعالیٰ نے میری ایسی تیز بنائی ہے کہ میں دوسرے لوگوں کی نسبت کئی گُنے زیادہ بُو یا خوشبو محسوس کر لیتا ہوں۔ جس شخص کے ناک کی حِس اتنی شدید واقع ہو وہ اس قسم کی باتوں سے بہت زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔

ایک اور ادب مجلس کا یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے مجلس کو مفید بنانا چاہیئے۔ اور خصوصاً جو باہر سے دوست آئیں انہیں چاہیئے کہ اپنی مشکلات پیش کر کے میرے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کیا کریں۔ بہت لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ بے ادبی ہے مگر میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ بے ادبی نہیں بلکہ مجلس کو مفید بنانا ہے۔ میں نے دیکھا ہے بسا اوقات مجلس میں دوست خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور مَیں بھی خاموش بیٹھا رہتا ہوں۔ میری اپنی طبیعت ایسی ہے کہ میں گفتگو شروع نہیں کر سکتا۔ اس مقام کے لحاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میں کوشش کرتا ہوں کہ بولوں مگر طبیعت کی اُفتاد ایسی ہے کہ کوشش کے باوجود میں کلام شروع نہیں کر سکتا۔ اور جب کوئی شخص سوال کرے تبھی میرے لئے گفتگو کا راستہ کھلتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جو دوست باہر سے آیا کرتے تھے، وہ مشکل مسائل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کرتے اور اس طرح گفتگو کا موقع ملتا رہتا تھا۔ اور بعض دوست تو عادتاً بھی کر لیا کرتے اور جب بھی وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھتے کوئی نہ کوئی سوال پیش کر دیا کرتے۔ مجھے ان میں سے دو شخص جو اس کام کو خصوصیت سے کیا کرتے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک میاں معراج دین صاب عمر جو آج کل قادیان میں ہی رہتے ہیں اور دوسرے میاں رجب الدین صاحب جو خواجہ کمال الدین صاحب کے خسر تھے۔ مجھے یاد ہے مجلس میں بیٹھتے ہی یہ سوال کر دیا کرتے کہ حضور فلاں مسئلہ کس طرح ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مسئلہ پر تقریر شروع فرما دیتے۔ تو جو دوست باہر سے آتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے مطالب پیش کرنے کے علاوہ مشکل مسائل دریافت کیا کریں تا کہ مجلس زیادہ سے زیادہ مفید ہو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ میں نے بتایا ہے کہ اول تو میری عادت ہے کہ میں گفتگو شروع نہیں کر سکتا لیکن اگر میں کبھی نفس پر زور دے کر گفتگو شروع بھی کر دوں تو بھی مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی کو کیا

مشکلات درپیش ہیں۔ گویا ایسا بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ القاء اور الہام کے ذریعہ زبان پر ایسی گفتگو جاری کر دیتا ہے کہ جو اس وقت کی مجلس کے مطابق ہو۔ مگر پھر بھی کئی خیالات ایسے ہو سکتے ہیں جن کے متعلق کوئی شخص چاہتا ہو کہ وہ مجھ سے ہدایت لے لیکن سوال نہ کرنے کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہے۔ پس باہر سے آنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اس تبلیغی زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے سوالات پوچھا کریں جن کے جوابات سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ مگر ایک چیز ہے جس کا خیال رکھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ بعض لوگ سوال تو کرتے ہیں مگر ان کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ مجھ سے کچھ سنیں بلکہ یہ ہوتی ہے کہ اپنی سنائیں۔ بعض مبلغین میں بھی یہ عادت پائی جاتی ہے جب وہ میرے پاس آتے ہیں تو وہ شروع سے آخر تک مباحثہ کی روئداد سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اس نے یہ اعتراض کیا میں نے یہ جواب دیا اس نے فلاں اعتراض کیا میں نے فلاں جواب دیا اور اس ذریعہ سے وہ اپنی گفتگو کو اتنا لمبا لے جاتے ہیں کہ وہ ملال پیدا کرنے والا طول بن جاتا ہے اور پھر لوگوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ یہ اپنی بات کیوں ختم نہیں کرتے۔ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مجھ سے کچھ سنیں یہ نہیں ہوتی کہ دوسروں کی سنیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے خلاف آداب حرکات سرزد ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ کہتے ہیں جَزَاکَ اللّٰہُ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بس کریں اب ہم سے زیادہ باتیں نہیں سنی جاتیں۔ مگر وہ بھی اپنی طبیعت کے ایسے پختہ ہوتے ہیں کہ جَزَاکَ اللّٰہُ پر خوش ہو کر اور زیادہ باتیں سنانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ جَزَاکَ اللّٰہُ تعریف کیلئے نہیں بلکہ گفتگو بند کرانے کیلئے کہا گیا ہے۔

پس یہ ایک مرض پیدا ہو رہا ہے جس کی طرف میں توجہ دلاتا ہوں لوگ میری وجہ سے یہ تو دوسرے کو نہیں کہہ سکتے کہ چُپ کرو اور میں بھی حیا کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے اشاروں میں انہیں بات کہی جاتی ہے جو گرے ہوئے اخلاق پر دلالت کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ بجائے اس کے کہ اپنی گفتگو سنائیں جو وہ پوچھنا چاہتے ہوں پوچھیں۔ پچھلے ایام میں مَیں ایک جگہ گیا وہاں بہت سے دوست میرے ملنے کیلئے جمع ہو گئے۔ مگر دو گھنٹہ تک ایک شخص مجھے اپنا مباحثہ ہی سناتا رہا اور آخر رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اس کی گفتگو ختم ہوئی۔ مگر اُس وقت اتنا وقت گزر چکا تھا کہ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور دوست بھی جو میری باتیں سننے کیلئے آئے تھے چلے گئے۔ وہ اس سارے عرصہ میں یہ سناتے رہے کہ اس نے یوں کہا میں نے یوں جواب دیا پھر اس نے یہ کہا میں نے یہ کہا۔ حالانکہ مباحثات کی تفصیل کی مجھے ضرورت نہیں ہوتی اور گو دوسروں کو ضرورت ہو بھی مگر وہ محبت اور اخلاص کی وجہ سے میری باتیں سننے کے مشتاق ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں سے باتیں سننے کیلئے کافی اوقات ہیں۔ پس گفتگو ایسے رنگ میں ہونی چاہیئے کہ دوستوں کا اصل مقصد یعنی یہ کہ وہ میری باتیں سننے کیلئے آتے ہیں کسی طرح فوت نہ ہو جائے اور فلسفیانہ تقریریں اس پر وہ اثر پیدا نہیں کرتیں جو اخلاص سے کہی ہوئی ایک چھوٹی سی بات کر جاتی ہے۔ گھروں میں روزانہ دیکھا جاتا ہے بعض اوقات بچہ ضِدّ میں آ کر ایک بات نہیں مانتا، ہزاروں دلائل دو وہ کچھ نہیں سنتا لیکن جب ماں کہے بیٹا یوں کرنا اچھا نہیں ہوتا تو وہ فوراً سمجھ جاتا ہے۔ اس پر غیر کی زبردست دلیلیں اثر نہیں کرتیں مگر ماں کا یہ فقرہ کہ ایسا کرنا اچھا نہیں ہوتا فوراً اثر کر جاتا ہے۔

اسی طرح لوگوں کے سامنے اخلاص ہوتا ہے وہ دوسروں کی فلسفیانہ تقریریں سننا پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے امام کے منہ سے چند سادہ کلمات سننا چاہتے ہیں اور یہ محبت کے کرشمے ہیں۔

جب تک اور جس سے اخلاص اور محبت ہوگی اس کی سادہ بات بہ نسبت دوسروں کی لمبی فلسفیانہ تقریر کے بڑا اثر کرے گی۔ پس مجلس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیئے کہ میری مجلس میں جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ عالم بھی آتے ہیں اور جاہل بھی اور بعض دفعہ پاگل بھی آتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک پاگل شخص آیا ہے اور اس نے مجھے اپنی باتیں سنانی شروع کر دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگ چونکہ اس امر کو نہیں سمجھتے اس لئے بعض دفعہ وہ بیچ میں آ کُودتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ یہ دماغی خلل والے کئی لوگ میرے پاس آتے ہیں مگر مَیں ان کی دماغی حالت کو جانتا ہوں۔ پس میں مختصر جواب دے دیتا ہوں یا خاموش رہتا ہوں اور جب وہ تکرار کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں میں نے سُن لیا، اس پر غور کروں گا۔ مگر ناواقف آدمی دخل دے دیتا ہے اور اس طرح بات کو خراب کر دیتا ہے۔

اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ ایک مصافحوں والا معاملہ بھی ہے باہر سے آنے والے دوست جن کو یہاں آنے کا بار بار موقع نہیں ملتا یا جمعہ پر جبکہ مقامی لوگوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں ہفتہ بھر ملنے کا اور کوئی موقع نہیں ملا ہوتا، مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کیلئے مصافحہ کی معقولیت میری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کیونکہ مصافحہ قلوب میں وارفتگی اور پیوستگی پیدا کرتا ہے اور یہ معمولی چیز نہیں۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ عیدین وغیرہ مواقع پر صحابہؓ خصوصیت سے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا کرتے۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر نماز کے وقت مصافحہ کرنا دینی ضرورتوں میں سے کوئی ضرورت ہے۔ بعض لوگ محبت میں گداز ہوتے ہیں میں ان کو الگ کرتا ہوں، کیونکہ ان پر کوئی قانون جاری نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں سارا سارا دن اس کھڑکی کے سامنے بیٹھے رہتے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر آیا کرتے تھے اور جب باہر آتے تو وہ آپ سے مصافحہ کرتے یا آپ کے کپڑوں کو ہی چُھو لیتے۔ ایسے لوگ محبت کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وقت مصافحہ کرنا ضروری ہے۔ مصافحہ کا اصل وقت تو وہ ہوتا ہے جب کوئی شخص باہر جا رہا ہو یا باہر سے آیا ہو۔ یا ساتویں آٹھویں دن اس لئے مصافحہ کرے کہ تا دعاؤں میں اسے یاد رکھا جائے اور اس کا تعارف قائم رہے یا کسی بیمار نے بیماری سے شفا پائی ہو تو وہ یہ بتانے کیلئے مصافحہ کرے کہ اب وہ اچھا ہو گیا ہے۔ یہ اور چیز ہے۔ مگر بالالتزام بغیر اسکے کہ نفس اس مقام پر پہنچا ہوا ہو کہ انسان مصافحہ کرنے پر مجبور ہو جائے دوسروں کو دیکھ کر یہ کام کرنا کوئی پسندیدہ امر نہیں۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم کو جو میرے استاد بھی تھے بوجہ اس کے کہ وہ اہلحدیث میں سے آئے تھے بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ ایک دفعہ یہ سوال زیر بحث تھا کہ مجلس میں کسی بڑے آدمی کے آنے پر کھڑے ہونا جائز ہے یا نہیں۔ قاضی سید امیر حسین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شرک ہے۔ اور رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آخر یہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس وقت یہ سوال ایک رُقعہ پر لکھا گیا اور میں رُقعہ لے کر اندر گیا۔ اس وقت اگرچہ میں طالب علم تھا مگر چونکہ مذہبی باتوں سے مجھے بچپن سے ہی دلچسپی رہی ہے اس لئے میں ہی وہ رقعہ اندر لے گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے جواب میں زبانی کہا یا تحریر کیا مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ خیال یہی آتا ہے کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ دیکھو وفات کے موقع پر کوئی ایسی حرکت کرنا جیسے دوہتڑ مارنا شریعت نے سخت ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے خیال ہے روایت تو صحیح یاد نہیں۔ آپ نے غالباً حضرت عائشہؓ کا ذکر کیا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے موقع پر انہوں نے بے اختیار اپنے سینہ پر ہاتھ مارا

(طبقات ابن سعد جلد 2صفحہ 262دار صادر بیروت)

یہ روایت لکھ کر آپ نے تحریر فرمایا کہ ایک چیز ہوتی ہے تکلف اور بناوٹ۔ اور ایک چیز ہوتی ہے جذبہء بے اختیاری۔ جو امر جذبہء بے اختیاری کے ماتحت ہو اور ایسا نہ ہو جو نصِ صریح سے ممنوع ہو بعض حالتوں میں وہ جائز ہوتا ہے اور وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ فعل کرنے والے نے کس رنگ میں کیا۔ سجدہ تو بہر حال منع ہے خواہ کسی جذبہ کے ماتحت ہو مگر بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بعض صورتوں میں تکلف اور بعض صورتوں میں جذبہء بے اختیاری کے ماتحت صادر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس لئے کھڑا ہوتا ہے کہ ایک بڑے آدمی کے آنے پر چونکہ باقی لوگ کھڑے ہیں اس لئے میں بھی کھڑا ہو جاؤں تو وہ گنہگار ہوگا۔ مگر وہ جو بے قرار ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے جیسے معشوق جب عاشق کے سامنے آئے تو وہ اس کیلئے کھڑا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس پر گرفت نہیں۔ قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم نہایت ہی مخلص احمدی تھے۔ میں نے ان سے بہت عرصہ پڑھا ہے وہ احمدیت کے متعلق اپنے اندر عشق کا جذبہ رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے میری خلافت کے ایام میں ایک دفعہ جب میں مسجد میں آیا تو قاضی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے میں نے کہا قاضی صاحب! آپ تو کسی کی تعظیم کیلئے کھڑے ہونا شرک قرار دیا کرتے تھے کہنے لگے۔ ’’کی کراں میں سمجھداتے ایہی ہاں پر ویکھدے ای کچھ ہو جاندا اے رہیا جاندا ای نہیں۔‘‘ یعنی کیا کروں میں سمجھتا تو یہی ہوں لیکن آپ کو دیکھ کر ایسا جذبہ طاری ہوتا ہے کہ میں بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ تو حالات کے مختلف ہونے اور جذبات کی بے اختیاری کی وجہ سے حکم بدلتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مصافحہ بھی اسی رنگ کی چیز ہے جب مصافحہ رسم و

رواج کے ماتحت ہو یا دکھاوے کے طور پر یا اس لئے ہو کہ شاید یہ شرعی احکام میں سے ہے یا اخلاص کے اظہار کا بھی کوئی ذریعہ ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن جب کوئی دیر سے ملتا ہے اور چاہتا ہے کہ بتلائے کہ میں آ گیا ہوں یا بیمار چاہتا ہے کہ میں بتاؤں مجھے صحت ہوگئی ہے یا کوئی اس لئے مصافحہ کرتا ہے کہ تا دعاؤں میں وہ یاد رہ سکے تو ایسے موقعوں پر مصافحہ ایک نہایت ہی مفید مقصد کو پورا کر رہا ہوتا ہے۔ مگر دوسرے اوقات میں وہ بعض دفعہ وقت کو ضائع کرنے والا بھی ہو جاتا ہے۔

یہ چند باتیں ہیں جو میں نے کہی ہیں اور کچھ باتیں اس وقت بھول بھی گئی ہیں اور بعض ممکن ہے ابھی اور بھی بیان کرنے والی ہوں انہیں پھر بیان کروں گا۔ لیکن یہ تمام باتیں اپنی جگہ بہت سے مفید مقاصد رکھتی ہیں۔ جماعت کو چاہیئے کہ انہیں مدنظر رکھے مجالس کو کھلا رکھنا چاہیئے' قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری ادب ہے اور اس کے بہت سے فائدے ہیں یہی فائدہ نہیں کہ دوسروں کو جگہ مل جائے گی اور صحت پر اس کا خوشگوار اثر پڑے گا بلکہ اور بھی باریک روحانی مطالب پر مشتمل فوائد ہیں اور یہ مختصر خطبہ ان کا حامل نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح کھڑکیوں کو کھلا رکھنا چاہیئے جسم اور گھروں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور مجلس میں خوشبو لگا کر آنا چاہیئے۔ بدبودار چیزیں کھا کر اجتماع کے موقعوں پر نہیں آنا چاہیئے اور بدبودار چیزیں ہی نہیں اگر کسی کو کوئی بغل گند وغیرہ کی بیماری ہو تو اچھی طرح صفائی کر کے آئے۔ مجلس کو مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے مشکل مسائل درپیش ہوں تو ان کے متعلق سوال کرنا چاہیئے۔ جب گفتگو ہو رہی ہو تو اس وقت دخل نہیں دینا چاہیئے اور کسی کی غلطی معلوم کر کے اس پر ہنسنا نہیں چاہیئے۔ ان باتوں پر عمل کرنے سے مجلس میں برکت ہوتی 'تعلقات مضبوط ہوتے اور فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ باتیں نہ ہوں تو صحت کے خراب ہونے کے خیال سے یا وقت کے ضائع ہونے کے خطرہ سے طبیعت میں اس امر پر بشاشت پیدا نہیں ہوتی کہ مجلس میں بیٹھا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست آئندہ مجالس میں ان امور کو مدنظر رکھیں گے۔

(الفضل 27 اپریل 1933)

(خطباتِ محمود)

☆☆☆☆☆☆☆

اے مظفر تجھ پر سلام

ڈاکٹر مہدی علی چوہدری

محمود تیرا نام ہے محمود ہی مقام
زندہ رہے گا تا بہ ابد تیرا پیارا نام

آنا زمیں پہ تیرا خدا کا گویا نزول
تو نور کا پیمبر اجالوں کا تو رسول

پودا جو سچ کا بویا مسیحؑ موعودؑ نے
کیا اس کو خوب سینچا ہے مصلحِ موعودؓ نے

تبشیر سے زمیں کے کناروں کو بھر دیا
واللہ تو نے کیسا عجب کام کردیا

علمِ توحید قلبِ کفر میں کیا نصب
ہر دن نویدِ فتح ' نوائے ظفر تھی شب

تو عنموائیل ہے تو مُظفر ہے اے بشیر
تو پُرشکوہ و حشمت، حکمت میں بے نظیر

دنیا نے پھر نہ دیکھا تجھ سا کوئی خطیب
زورِ بیان تیرا کس کو کہاں نصیب

بے نوریوں پہ نرگس روئے ہزار سال
تجھ جیسے دیدہ ور کا ملنا ہے اب محال

اے راہِ حق کے مردِ مجاہد تجھے سلام
ملت کے اس فدائی پہ فضلِ خدا مدام

پیشگوئی مصلح موعود

بحوالہ الہامات امام الزمان حضرت مسیحِ موعود مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مارچ 1886

''اس عاجز کے اشتہار مورخہ 20 فروری 1886 میں ایک پیشگوئی دربارہ تولّد ایک فرزند صالح ہے۔ جو بصفات مندرجہ اشتہار پیدا ہوگا۔۔۔ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس[1] کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ خواہ جلد ہو، خواہ دیر سے۔ بہر حال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔''

(اشتہار 22 مارچ 1886 تبلیغ رسالت جلداوّل)

8 اپریل 1886

(ا) بعد اشاعت اشتہار مندرجہ بالا[2] دوبارہ اس امر کے انکشاف کیلئے جناب الٰہی میں توجہ کی گئی۔ تو آج 8 اپریل 1886 میں اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدّتِ حمل سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالبًا ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اُس کے قریب حمل میں لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جواَب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔

(اشتہار 8 اپریل 1886 تبلیغ رسالت جلداوّل صفحہ 76)

(ب) ''عربی الہام کے یہ دو فقرہ ہیں:

''نَازِلٌ مِّنَ السَّمَآءِ وَنَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

جو نزول یا قریب النزول پر دلالت کرتے ہیں۔''

(اشتہار 8 اپریل 1886 تبلیغ رسالت جلداوّل صفحہ 76)

1886

''[3] جن دنوں لڑکی پیدا ہوئی تھی اور لوگوں نے غلط فہمی پیدا کرنے کیلئے شور مچایا کہ پیشگوئی غلط نکلی ان دنوں میں یہ الہام ہوا تھا۔

دشمن کا بھی خوب وار نکلا
تسپر بھی وہ وار پار نکلا

یعنی مخالفوں نے شور تو بہت مچایا ہے کہ پیشگوئی غلط نکلی ہے مگر فہیم لوگ جلد سمجھ[4]

---

[1] جن صفاتِ خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی دو چند ہوتی اُس کی عظمت اور شان میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ بلکہ صریح دلی انصاف ہر یک انسان کا شہادت دیتا ہے کہ ایسی عالی درجہ کی خبر جو ایسے نامی اور اخص آدمی کے تولّد پر مشتمل ہے۔ انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے۔ اور دُعا کی قبولیت ہوکر ایسی خبر کا ملنا بے شک یہ بڑا بھاری آسمانی نشان ہے نہ یہ کہ صرف پیشگوئی ہے۔''

(اشتہار 8 اپریل 1886 تبلیغ رسالت جلداوّل صفحہ 76,75)

(ب) ''وہ۔۔۔ خدا تعالےٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اُس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں'' (سبز اشتہار مورخہ یکم دسمبر 1886 حاشیہ تبلیغ رسالت جلد اول ص 127)

(ج) ''میں جانتا ہوں اور محکم یقین سے جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے معاملہ کرے گا اور اگر ابھی اس موعود لڑکے کے پیدا ہونے کا وقت نہیں آیا تو دوسرے وقت میں وہ ظہور پذیر ہوگا۔ اور اگر مدّتِ مقررہ سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو خدائے عزّ وجلّ اُس دن کو ختم نہیں کرے گا جب تک کہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کرلے۔ (اشتہار تکمیل تبلیغ مورخہ یکم دسمبر 1886 ص 7۔۔۔)

[2] اشتہار 22 مارچ 1886 (مرتب)

[3] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں 15 اپریل 1886 میں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام عصمت رکھا گیا اس لڑکی کی پیدائش پر مخالفین نے یہ شور مچایا کہ لڑکے کے متعلق جو پیشگوئی تھی وہ غلط نکلی۔ کیونکہ موجودہ حمل سے لڑکی پیدا ہوئی نہ کہ لڑکا۔ مگر یہ اعتراض بالکل غلط تھا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ موجودہ حمل سے ہی ضرور لڑکا پیدا ہوگا۔ بلکہ الہام نمبر 177 کی ذیل میں یہ صراحت کی گئی تھی کہ عنقریب ایک لڑکا ہوگا خواہ موجودہ حمل سے ہو یا اس کے قریب آئندہ حمل سے۔ چنانچہ عصمت کی پیدائش کے بعد دوسرے حمل سے بشیر اوّل ہوگیا۔ (مرتب)

[4] چنانچہ اس بشارت کے مطابق عصمت کی پیدائش کے بعد 7 اگست 1887 کو ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا۔ جس کی پیدائش سے 20 فروری 1886 والے الہام کا ایک فقرہ پورا ہوا کہ ''خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔'' نیز 8 اپریل 1886 کا یہ الہام پورا ہوا کہ ''ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے۔'' (مرتب)

جائیں گے اور ناواقف شرمندہ ہوں گے۔

(الحکم جلد 6 صفحہ 7 مورخہ 30اپریل 1902)

7 اگست 1887

"اِنَّــآ اَرْسَلْنَا هُ شَاهِدًا وَّ نَذِيْرًا كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمَاتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ كُلُّ شَيْءٍ تَحْتَ قَدَمَيْهِ"

یعنی ہم نے اس بچہ کو شاہد اور مبشّر اور نذیر ہونے کی حالت میں بھیجا ہے۔ اور یہ اس بڑے مینہ کی مانند ہے جس میں طرح طرح کی تاریکیاں ہوں۔ اور رعد اور برق بھی ہو۔ یہ سب چیزیں اُس کے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ [1]

(سبز اشتہار مورخہ یکم دسمبر1888صفحہ 16تبلیغ رسالت جلداوّل 136)

(1888)

"اور مجھے بشارت دی ہے کہ جس نے تجھے شناخت کرنے کے بعد تیری دشمنی اور تیری مخالفت اختیار کی، وہ جہنمی ہے۔"

(مکتوب حضرت اقدس علیہ السلام)

"یہ بات کھلی کھلی الہام الٰہی نے ظاہر کردی کہ بشیر جوفوت ہوگیا ہے وہ بے فائدہ نہیں آیا تھا بلکہ اُس کی موت اُن سب لوگوں کی زندگی کا موجب ہوگی۔ جنہوں نے محض للہ اُس کی موت سے غم کیا۔ اور اُس ابتلاء کی برداشت کر گئے کہ جو اُس کی موت سے ظہور میں آیا۔"

(سبز اشتہار صفحہ 17,16حاشیہ و تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ 136-137)

اس [2] موت کی تقریب پر بعض مسلمانوں کی نسبت یہ الہام ہوا:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُ تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ۔شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ۔اِنَّ الصَّابِرِيْنَ يُوَفّٰى اَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

اب خداتعالیٰ نے ان آیات میں صاف بتلادیا کہ بشیر کی موت لوگوں کی آزمائش کے لئے ایک ضروری امر تھا۔ اور جو کچے تھے وہ مصلح موعود کے ملنے سے نا اُمید ہوگئے۔ اور انہوں نے کہا کہ تُو اسی طرح اس یوسف کی باتیں ہی کرتا رہے گا یہاں تک کہ قریب مرگ ہوجائے گا۔ یا مرجائے گا۔ سو خداتعالیٰ نے مجھے فرمادیا۔ کہ ایسوں سے اپنا مُنہ پھیر لے۔ جب تک وہ وقت پہنچ جائے۔ اور بشیر کی موت پر جو ثابت قدم رہے اُن کے لئے بے اندازہ اجر کا وعدہ ہوا۔ یہ خداتعالیٰ کے کام ہیں اور کوتہ بینوں کی نظر میں حیرتناک۔"

(مکتوب4دسمبر 1888)

[3] اِنَّ لِيْ كَانَ اِبْنًا صَغِيْرًا وَّ كَانَ اسْمُهٗ بَشِيْرًا فَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ فِيْ اَيَّامِ الرِّضَاعِ۔ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰثَرُوْا سُبُلَ التَّقْوٰى وَالْاِرْتِيَاعِ فَاُلْهِمْتُ مِنْ رَّبِّيْ۔اِنَّا نَرُدُّهٗ اِلَيْكَ تَفَضُّلًا عَلَيْكَ

(سرّ الخلافہ صفحہ53)

(1888)

خداتعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ"

(سبز اشتہار مورخہ یکم دسمبر1888صفحہ17حاشیہ و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ137)

[1] الہامی عبارت میں جیسا کہ ظلمت کے بعد رعد اور روشنی کا ذکر ہے یعنی جیسا کہ اُس کی عبارت کی ترتیب بیانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پسر متوفی کے قدم اٹھانے کے بعد پہلے ظلمات آئے گی۔ اور پھر رعد اور برق۔ اسی ترتیب کے رُو سے اس پیشگوئی کا پورا ہونا شروع ہوا۔ یعنی پہلے بشیر کی موت کی وجہ سے ابتلاء کی ظلمت وارد ہوئی۔ اور پھر اُس کے بعد رعد اور روشنی ظاہر ہونے والی ہے۔ اور جس طرح ظلمت ظہور میں آگئی۔ اسی طرح یقیناً جاننا چاہیئے کہ کسی دن وہ رعد اور روشنی بھی ظہور میں آجائے گی۔ جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔ جب وہ روشنی آئے گی تو ظلمت کے خیالات کو بالکل سینوں اور دلوں سے مٹادے گی۔ اور جو جو اعتراضات غافلوں اور مردہ دلوں کے مُنہ سے نکلے ہیں ان کو نابود اور ناپدید کرے گی۔۔۔سوائے وے لوگو! جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو۔ اور خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی۔" (سبز اشتہار صفحہ16 ,17و تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ 137,136، تذکرہ صفحہ 150 ,149)

[2] یعنی بشیر اوّل کی موت۔ (مرتب)

[3] (ترجمہ از مرتب) میرا ایک لڑکا جس کا نام بشیر احمد تھا۔ شیر خوارگی کے ایام میں فوت ہوگیا۔ اور حق یہ ہے کہ جن لوگوں نے تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کے طریق کو اختیار کرلیا ہو ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتی ہے۔ اس وقت مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ محض اپنے فضل اور احسان سے وہ تجھے واپس دیں گے۔ (یعنی اس کا مثیل عطا ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا بیٹا عطا کیا۔)

(ب) ''ایک الہام میں اس دوسرے فرزند کا نام بھی بشیر رکھا چنانچہ فرمایا کہ ایک دُوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا۔
یہ وہی بشیر ہے جس کا دوسرا نام محمود ہے جس کی نسبت فرمایا کہ وہ اولوالعزم ہوگا اور حسن واحسان میں تیرا نظیر ہوگا یَخلُقُ مَایَشَآءُ۔

(مکتوب 4 دسمبر مکتوبات احمدیہ جلد پنجم صفحہ 49-51)

(ج) ''خدائے عزّ وجلّ نے ۔۔۔ اپنے لطف وکرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود بھی ہوگا۔ اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہوگا اور حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔''

(اشتہار تکمیل تبلیغ مورخہ 12 جنوری 1889)

''میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے۔ ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی۔ اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ

محمود

تب میں نے اس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا۔ جس کی تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1888 ہے۔''

(تریاق القلوب صفحہ 40)

مجھے ایک خواب میں مصلح موعود کی نسبت یہ شعر جاری ہوا تھا:

اے[1] فخرِ رُسل قُرب تو معلومم شد
دیر آمدۂ ز راہِ دُور آمدۂ

(اشتہار تکمیل تبلیغ مورخہ 12 جنوری 1889 تبلیغ رسالت جلد اوّل)

1888

(ا) ''خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا۔ کہ 20 فروری 1886 کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی۔ اور اس عبارت تک کہ وہ جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے کہ جو رُوحانی طور پر نزولِ رحمت کا موجب ہوا۔ اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے۔''

(سبز اشتہار یکم دسمبر 1888 صفحہ 17 حاشیہ تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ 137)

(ب) اور یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ جس پیشگوئی کا ذکر ہوا ہے۔ وہ مصلح موعود کے حق میں ہے۔ کیونکہ بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا ہے کہ یہ سب عبارتیں پسرِ متوفّی کے حق میں ہیں۔ اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ اُس کے ساتھ فضل ہے کہ جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ اور نیز دوسرا نام اُس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے۔ اور ایک الہام میں اُس کا نام فضلِ عمر ظاہر کیا گیا ہے اور ضرور تھا کہ اُس کا آنا معرضِ التوا میں رہتا۔ جب تک یہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے پیدا ہو کر پھر واپس اُٹھایا جاتا۔ کیونکہ یہ سب اُمور حکمتِ الٰہیہ نے اس کے قدموں کے نیچے رکھے تھے۔ اور بشیر اول جو فوت ہو گیا ہے بشیرِ ثانی کیلئے بطور اِرہاص تھا اس لئے دونوں کا ایک ہی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا''[2]

(سبز اشتہار صفحہ 21 حاشیہ تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ 141-142)

1888

(ا) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں۔ وہ سچا ایمان اور سچی ایمانی پاکیزگی اور محبتِ مولیٰ کا راہ سیکھنے کے لئے اور گندی زیست اور کاہلانہ اور

---

[1] (ترجمہ از مرتب) اے رسولوں کے فخر تیرا خدا کے نزدیک مقام قرب مجھے معلوم ہو گیا ہے تُو دیر سے آیا ہے (اور) دُور کے راستہ سے آیا ہے۔

[2] مورخہ 12 جنوری 1889 کو جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی پیدائش کی اطلاع اس اشتہار کے ذریعہ جس کا عنوان ''تکمیل تبلیغ'' تھا یوں شائع فرمائی:
''خدائے عزّ وجلّ نے جیسا کہ اشتہار یکم دسمبر 1888 میں مندرج ہے اپنے لطف وکرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہوگا اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حسن واحسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج 12 جنوری 1889 میں مطابق 9 جمادی الاول 1306ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاول کے طور پر بشیر اور محمود بھی رکھا گیا ہے۔ اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی۔ مگر ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں اور محکم یقین سے جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق معاملہ کرے گا اور اگر ابھی اس موعود لڑکے کے پیدا ہونے کا وقت نہیں آیا تو دوسرے وقت میں وہ ظہور پذیر ہوگا۔ اور اگر مدّتِ مقررہ سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو خدائے عزّ وجلّ اُس دن کو ختم نہیں کرے گا جب تک اپنے وعدہ کو پورا نہ کر لے۔ مجھے ایک خواب میں اس مصلح موعود کی نسبت زبان پر جاری ہوا تھا

غدّارانہ زندگی کے چھوڑنے کیلئے مجھ سے بیعت [1] کریں۔
پس جو لوگ اپنے نفسوں میں کسی قدر یہ طاقت پاتے ہیں اُنہیں لازم ہے کہ میری طرف آویں کہ میں اُن کا غمخوار ہوں گا۔ اور اُن کا بار ہلکا کرنے کیلئے کوشش کروں گا۔ اور خدا تعالےٰ میری دُعا اور میری توجہ میں اُن کیلئے برکت دے گا۔ بشرطیکہ وہ ربّانی شرائط پر چلنے کیلئے بدل و جان طیار رہوں گے۔ یہ ربّانی حکم ہے جو آج میں نے پہنچا دیا ہے اس بارہ میں عربی الہام یہ ہے:

[2] اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا۔ اَلَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَکَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِم۔"

(یکم دسمبر 1888 سبز اشتہار صفحہ 24 و تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ 145)

بقیہ حاشیہ صفحہ 19 :

اے فخرِ رُسل قُربِ تو معلومم شد
دیر آمدۂ ز راہِ دُور آمدۂ

پس اگر حضرت باری جلّ شانہٗ کے ارادہ میں دیر سے مُراد اسی قدر دیر ہے جو اس پسر کے پیدا ہونے میں جس کا نام بطور تفاول بشیر الدین محمود رکھا گیا ہے ظہور میں آئی۔ تو تعجب نہیں کہ یہی لڑکا موعود لڑکا ہو۔ ورنہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ دوسرے وقت پر آئے گا"

(اشتہار تکمیل تبلیغ مطابق 12 جنوری 1889 تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ 147-149 حاشیہ)

اس اشتہار میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو ہی قرار دیا۔ اور تفاول کے طور پر نام بھی بشیر الدین محمود رکھا۔ مگر کامل انکشاف کے بعد صحیح اطلاع دینے کا وعدہ فرمایا۔ سو حضور علیہ السلام ایفائے عہد فرماتے ہیں۔ اور اس امر کے متعلق مختلف کتب میں اطلاع دیتے ہیں۔

(ا) "محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی مع محمود نام کے موجود ہے۔ جو پہلے لڑکے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا۔ جو رسالہ کی طرح کئی ورق کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 15 مطبوعہ 1897)

(ب) "پانچویں پیشگوئی میں اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت۔ کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اُس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیشگوئی کی اشاعت کیلئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں۔ اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے۔"

(سراج منیر صفحہ 31 مطبوعہ 1897)

(ج) "محمود میرا بڑا بیٹا ہے اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی 1888 اور نیز اشتہار یکم دسمبر 1888 میں جو سبز اشتہار کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا پیشگوئی کی گئی۔ اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائے گا۔۔۔ پھر جبکہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی۔۔۔ تب خدا تعالیٰ کے فضل و رحم سے 12 جنوری 1889 کو بمطابق 9 جمادی الاول 1306ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوا۔"

(تریاق القلوب صفحہ 42)

مصلح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اشتہار تکمیل تبلیغ مورخہ 12 جنوری 1889 کے حاشیہ میں خیال ظاہر فرمایا تھا۔ اور بعض دوسرے مقامات پر بھی اشارات کئے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں پوری ہوئی۔ چنانچہ جملہ واقعات اور کوائف اس پر شاہد ہیں۔ اور خود امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے صراحت کے ساتھ اپنے اوپر چسپاں کیا ہے چنانچہ حضور نے 28 جنوری 1944 بروز جمعۃ المبارک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم پا کر اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں:

(ا) "خدا تعالیٰ نے مشیّت کے ماتحت آخر اس امر کو ظاہر کر دیا۔ اور مجھے اپنی طرف سے علم بھی دے دیا۔ کہ مصلح موعود سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں۔"

(ب) "آج پہلی دفعہ مَیں نے وہ تمام پیشگوئیاں پڑھیں۔ اور اب ان پیشگوئیوں کو پڑھنے کے بعد مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے یہ پیشگوئی میرے ذریعہ ہی پوری کی ہے۔"

(الفضل یکم فروری 1944)

[1] بیعتِ اُولیٰ لدھیانہ میں 20 رجب 1306 مطابق 23 مارچ 1889 بروز شنبہ ہوئی (مرتب)

[2] (ترجمہ از مرتب) جب تو عزم کرلے تو اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کر اور ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے ماتحت نظام جماعت کی کشتی طیار کر (جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے) جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں گے وہ دراصل خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہوگا۔

ہوشیار پور میں خلوت کی عبادت
اور الہام پسر موعود اور سرمہ چشم آریہ کی تصنیف

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے

1886 کے شروع میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ خدائی منشاء کے ماتحت ہوشیار پور تشریف لے گئے جو قادیان سے قریباً چالیس میل مشرق کی طرف واقع ہے اور پنجاب کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔ یہاں آپ نے چالیس دن تک ایک علیحدہ مکان میں جو آبادی سے کسی قدر جُدا تھا عبادت اور ذکرِ الٰہی میں وقت گزارا۔ ان دنوں میں آپ اس مکان کے بالا خانہ میں بالکل خلوت کی حالت میں رہتے تھے اور آپ کے تین ساتھی جو خدمت کیلئے ساتھ گئے تھے نیچے کے حصہ میں مقیم تھے اور آپ نے حکم دیا تھا کہ مجھ سے کوئی شخص از خود بات نہ کرے اور ان ایام میں آپ خود بھی بہت کم گفتگو فرماتے تھے اور اکثر حصہ وقت کا عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزارتے تھے۔ گویا ایک طرح آپ کی یہ خلوت نشینی اعتکاف کا رنگ رکھتی تھی۔

ان ایام میں آپ پر بہت سے انوارِ سماوی کا انکشاف ہوا اور پسرِ موعود کے متعلق بھی انہی دنوں میں الہامات ہوئے جن میں بتایا گیا کہ خدا آپ کو ایسا لڑکا دے گا جو خدا کی طرف سے ایک خاص رحمت کا نشان ہوگا اور اسکے ذریعہ دین کو بہت ترقی حاصل ہوگی چنانچہ اس الہام کے الفاظ یہ ہیں:۔

''مَیں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرّعات کو سُنا۔ اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔ موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفٰے ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا

جائے گا۔ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت ونسل ہوگا۔خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔

اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔اس کو مقدس رُوح دی گئی ہے۔اور وہ رِجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔اس کے ساتھ فضل ہے جو اُسکے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دَولت ہوگا۔وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم ہوگا۔اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔فرزندِ دلبند گرامی ارجمند۔مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔نور آتا ہے نور۔جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔وہ جلد جلد بڑھے گا۔اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا۔اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔''

(اشتہار 20فروری1886مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل)

جب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اس چالیس روزہ عبادت کو پورا کر چکے تو اس کے بعد آپ بیس روز مزید ہوشیار پور میں ٹھہرے اور انہی دنوں میں ہوشیار پور کے ایک جوشیلے آریہ ماسٹر مرلی دھر کے ساتھ آپ کا اسلام اور آریہ مذہب کے اصولوں کے متعلق مناظرہ ہوا جس میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔مناظرہ کے بعد جلد ہی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ایک تصنیف ''سرمہ چشم آریہ'' کے نام سے شائع فرمائی جس میں اس مناظرہ کی کیفیت درج کرنے کے علاوہ اسلام کی صداقت اور آریہ مذہب کے بطلان میں نہایت زبردست دلائل درج فرمائے اور اعلان کیا کہ اگر کوئی آریہ اس کتاب کا ردّ لکھ کر اس کے دلائل کو غلط ثابت کرے تو میں اس کو انعام دوں گا۔مگر کسی کو اس مقابلہ کی جرأت نہیں ہوئی۔یہ کتاب 1886 کے آخر میں شائع ہوئی اور سلسلہ احمدیہ کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔اس کتاب میں معجزات کی حقیقت پر نہایت لطیف بحث ہے اور آریہ مذہب کے اصول دربارہ قدامتِ روح و مادہ وغیرہ کو زبردست دلائل کے ساتھ ردّ کیا گیا ہے۔

(سلسلہ احمدیہ ص 27,26)

تجھے دیکھا تو سارے اولیاء و انبیاء دیکھے
ظہورِ اولیاء تُو ہے بروزِ انبیاء تُو ہے
(کلامِ بشیر)

منظوم کلام حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا

مبارک آمدن ، رفتن مبارک

{میں حضرت سیدنا بڑے بھائی صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خیال میں کھوئی ہوئی تھی گزری ہوئی یادوں نے تازہ ہوکر تصور میں آکر مجھے زمانہ ماضی میں پہنچادیا تھا۔ دل دردِفراق سے بے چین و بے قرار ہورہا تھا کہ خود بخود بغیر کسی شعر کہنے کے ارادے کے حسب ذیل مصرعہ قلب میں گزرا۔ اس پر چند اشعار ہوگئے جو ارسال ہیں۔ مبارکہ}

بشارت دی مسیحا کو خدا نے — تمہیں پہنچے گی رحمت کی نشانی
ملے گا ایک فرزند گرامی — عطا ہوگی دلوں کو شادمانی
وہ آیا ساتھ لے کر "فضل" آیا — بصد اکرام شاہِ دوجہانی
مٹا کر اپنی ہستی راہِ حق میں — جہاں کو اس نے بخشی زندگانی
یہی مدِّ نظر تھا ایک مقصد — برائے دین احمد جانفشانی
رہی نصرت خدا کی شاملِ حال — گزاری زندگی باکامرانی
ہمیں داغِ جدائی آج دے کر — ہوُا حاضر حضور یار جانی
جو اس نے "نور" بھیجا تھا جہاں میں — ہوُا واصل بہ ربِّ جاودانی
وہ جس کے قلب ورُوح وتن مبارک — مبارک آمدن، رفتن مبارک

(بحوالہ الفضل 18 دسمبر1965، دُرِّعدن 104)

پیشگوئی مصلح موعود کا تجزیاتی مطالعہ

لطف الرحمٰن محمود

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جانے والے نبی، رسول اور مامور رُوحانی علامات، تائیدی نشانات ومعجزات اور امتیازی خصوصیات کی بدولت شناخت کئے جاتے ہیں۔ غیر معمولی وَہبی علم وحکمت کے ساتھ اُنہیں امورِ غیبیہ کی خبر بھی قبل از وقت بطور نشان دی جاتی ہے۔ ایسی خبر کو عُرفِ عام میں ''پیش گوئی'' کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس خصوصیت کا ایک انعام واحسان کے طور پر ذکر کیا گیا ہے:

''عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ...

وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ وہ کسی کو اپنے غیب پر غلبہ عطا نہیں کرتا بجز اپنے برگزیدہ رسول کے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی پیشگوئی منسوب کرنے کا ذکر توراۃ میں موجود ہے۔ استثناء باب 18 کی آیات 20 تا 22 میں ایسے مفتری علی اللہ کی یہ پہچان بیان کی گئی ہے کہ اُس کی اِس قسم کی پیشگوئیاں پوری ہونے کی نوبت نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے فیضانِ نبوت کی برکت سے 'اُمتِ محمدیہ کے مسیحِ موعود کو بے شمار پیشگوئیوں کا قبل از وقت اعلان کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور انہیں پورا کر کے، ایک طرف تو حضورؑ کی صداقت کا نشان اور دوسری جانب افرادِ جماعت کے ازدیادِ ایمان کا باعث بنا دیا۔ ان پیشگوئیوں میں اتنا تنوّع پایا جاتا ہے کہ بذاتِ خود خارق عادت نظر آتا ہے اگر ان پیشگوئیوں کو نوعیت کے لحاظ سے جدول بنا کر درج کیا جائے تو شاید ہی کوئی خانہ خالی رہ سکے۔ بعض پیشگوئیاں حضورؑ کی ذات کے متعلق ہیں، بعض اہل وعیال اور خصوصاً اولاد کے بارے میں ہیں۔ بعض احباب کے متعلق، بعض دشمنوں اور مخالفوں کے متعلق، بعض زمینی اور آسمانی آفات اور حوادث کے متعلق ہیں۔ بعض پیشگوئیاں جماعت کے مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ ان میں ہر ایک قسم پر الگ الگ کتابچے لکھے جا سکتے ہیں۔ مبشر اولاد اور اولاد دَر اَولاد کے مختلف ممالک میں پھیل جانے کے بارے میں بھی بشارات موجود ہیں۔ اس پہلو سے تعلق رکھنے والی ایک پیشگوئی جماعت کے لٹریچر میں پسرِ موعود اور مصلح موعود کی پیشگوئی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی پیشگوئی کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ تجزیاتی مطالعہ اس مختصر مقالہ کا موضوع ہے۔

1۔ پیشگوئی مصلح موعود کا پس منظر

حضرت مسیح موعودؑ اُس دور میں اسلام کے ایک فتح نصیب جرنیل کے طور پر، ہندوستان کے طول وعرض میں جانے پہچانے جاتے تھے۔ آپ نے دینِ اسلام کی حقانیت کی تائید میں نشان نمائی کا اعلان کر رکھا تھا۔ قادیان کے آریہ سماج کے دس ممبروں اور ساہوکاروں نے حضورؑ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ نے ہر طرف نشانات اور معجزات دکھانے کے چیلنج بھیجے ہیں، ہمیں بھی ایک سال کے اندر اندر کوئی ایسا نشان دکھایا جائے اور اپنی طرف سے ابتدا ستمبر 1885 سے اختتام ستمبر 1886 کا وقت مقرر کر دیا۔ یہ خط مجموعہ اشتہارات جلد اوّل میں صفحہ 92-94 پر درج ہے۔ حضورؑ نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے اس کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا وہ بھی مجموعۂ اشتہارات کی اسی جلد میں درج ہے (صفحہ 95 تا 96)۔ اس خط کے مندرجہ ذیل دو نکات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

1۔ ''چونکہ یہ خط سراسر انصاف اور حق جوئی پر مبنی ہے اور ایک جماعت طالبِ حق نے جو عشرہ کاملہ ہے، اس کو لکھا ہے اس لئے بہ تمام تر شکر گزاری اس مضمون کو

قبول کرتا ہوں"

حضورؑ نے مزید لکھا:

2۔ "چونکہ آپ لوگ شرط کے طور پر کچھ روپیہ نہیں مانگتے۔صرف دلی سچائی سے نشانوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔اس لئے اس طرف سے قبول اسلام کیلئے شرط کے طور پر آپ سے کچھ گرفت نہیں۔بلکہ یہ بات بقول آپ لوگوں کے توفیقِ ایزدی پر چھوڑی گئی ہے۔"

بظاہر لگتا ہے کہ یہ لوگ خلوصِ دل سے سچائی پرکھنے کے متمنی تھے لیکن کچھ عرصہ بعد جب بیرونجات کے بدزبان آریہ لیڈر، لیکھر ام پشاوری اور اِندرمن مراد آبادی، اس میدان میں کُود پڑے تو ان نوواردوں کی بدنیتی اور کمینگی کی وجہ سے فضا مُکدّر ہوتی چلی گئی۔

ضمناً عرض ہے کہ حضورؑ کی عمر اس وقت پچاس سال سے متجاوز تھی۔آپ کی پہلی بیوی سے بیس سال سے زائد عمر کے دولڑکے موجود تھے۔دوسری اہلیہ جو دہلی کے سادات سے تھیں، کے بطن سے ابھی کوئی اولاد نہیں تھی۔ہندوستان میں اس وقت اوسط عمر تقریباً چالیس سال سمجھی جاتی تھی۔حضورؑ کی یہ طبعی خواہش ہوگی کہ اللہ تعالیٰ، خدمتِ اسلام کی جدّ وجہد کو جاری وساری رکھنے کیلئے صالح اور خادم دین اولاد عطا فرمائے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ سے اذن پا کر چالیس دن تک عبادت و ریاضت کی نیت سے جنوری 1886 میں حضور ہوشیار پور تشریف لے گئے اور شیخ مہر علی صاحب کے بالا خانے میں قیام فرمایا اور شب وروز عاجزانہ دعاؤں میں گزارے۔اللہ تعالیٰ نے ان تضرعات کے نتیجے میں بہت سی عظیم الشان خوشخبریاں عطا فرمائیں۔ان میں ایک پیشگوئی پسرِ موعود یعنی مصلح موعود کے بارے میں بھی تھی۔آپ نے ہوشیار پور ہی سے 20 فروری 1886 کو ایک اشتہار میں اس پیشگوئی کا اعلان فرمایا۔اس الہامی پیشگوئی کا یہ دعائیہ پہلو قابلِ غور ہے:

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا"

حضورؑ نے ایک ماہ بعد 22 مارچ 1886 کو قادیان سے ایک اور اشتہار شائع فرمایا جس میں مکرّر تحریر فرمایا:

"خداوند کریم نے اس عاجز کی دُعا کو قبول کر کے ایسی بابرکت رُوح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری وباطنی برکتیں زمین پر پھیلیں گی۔"

(مجموعہ اشتہارات' جلداوّل صفحہ 115)

2۔پیشگوئی مصلح موعود کے الفاظ

پسرِ موعود کی پیشگوئی کے الفاظ جماعت کے لٹریچر میں بار بار شائع ہو چکے ہیں۔ایک عرصہ سے دنیا بھر میں، جماعتیں ہر سال "یومِ مصلح موعود" کے حوالے سے جلسے منعقد کر رہی ہیں۔ان مواقع پر بھی اس عظیم پیشگوئی کے الفاظ ذہن میں تازہ ہوتے رہتے ہیں۔اس شمارے میں بھی یہ الفاظ شائع کئے جارہے ہیں اس لئے یہاں اعادہ کرنے کی بجائے ان کی اہمیت کے حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ 20 فروری 1886 کے اعلان کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے علم پا کر حضورؑ وقتاً فوقتاً نئے امور بیان فرماتے رہے۔لہٰذا مجموعی طور پر حضورؑ کے یہ تمام ریمارکس بھی اِس پیشگوئی کا حصہ ہیں۔(جو اس شمارہ میں درج ہیں)

پیشگوئی کے ان الفاظ اور تصریحات کی ایک اہمیت اُن میں بیان کی جانے والی علامات کے لحاظ سے ہے۔ان علامات میں غیر معمولی تنوع، وسعت اور عالمگیریت پائی جاتی ہے مثلاً

☆"علوم ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائے گا"

☆"اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا"

☆"زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا"

☆"قومیں اس سے برکت پائیں گی"

یہ انتہائی مشکل علامات پیشگوئی کے مَہبط ومُورد کی تعیین میں مُمد ہیں۔دوسری اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ فرزندِ موعود کی ولادت کی مدت معیّن کی گئی ہے۔پسرِ موعود کی پیشگوئی کا 1886 کے بعد 9 سال کے اندر پورا ہونا ایک اہم حد بندی ہے یعنی 1895 تک پیدا ہوجانا ایک بنیادی شرط ہے۔وہ لوگ جو مصلح موعود کے تین صدیوں بعد ظاہر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس سے اُن کی غلط فہمی واضح ہوجاتی ہے۔اُن کے اس ادّعا کا الگ تجزیہ کیا جائے گا۔

پیشگوئی کے الفاظ میں اس کے مقاصد کا ذکر بھی الہاماً کیا گیا ہے۔پیشگوئی کے

ظہور کا ان مقاصد سے گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا اس کے ظہور کا مطالعہ کرتے وقت ان پہلوؤں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

3۔ حدیث شریف کی بشارت اور دیگر نوشتے

مسیح ابن مریمؑ کی بعثتِ ثانیہ سے متعلق روایات میں ایک حدیث میں یہ خوشخبری بھی موجود ہے:

یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ۔

یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم دنیا میں تشریف لائیں گے شادی کریں گے اور اُنہیں اولاد دی جائے گی۔

(مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ 480باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف آئینہ کمالات اسلام میں پسرِ موعود کی پیشگوئی کا عربی میں ذکر کیا ہے اور مندرجہ بالا حدیث کا ذکر کر کے درجِ ذیل تشریح درج فرمائی ہے۔

اَنَّ اللّٰہَ یُعْطِیْہِ وَلَدًا صَالِحًا یُشَابِہُ اَبَاہُ

یعنی اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو ایسا صالح فرزند عطا فرمائے گا جو اپنے والد کے مشابہ ہوگا۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام' روحانی خزائن جلد 5صفحہ 578)

اسی صفحہ پر حضرت اقدسؑ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے انبیاء اور اولیاء کو اولاد عطا کرنے کی بشارت دیتا ہے تو یہ ''تولیدِ صالحین'' یعنی صالح اور پاک ذُرّیت کی خوشخبری پر مشتمل ہوتی ہے۔

(ایضاً صفحہ 578)

حضور علیہ السلام اپنی تصنیف 'حقیقۃ الوحی' میں بھی حدیث کی اس پیشگوئی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کی اولاد ہوگی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا اس کی نسل سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو اس کا جانشین ہوگا اور دینِ اسلام کی حمایت کرے گا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں خبر آ چکی ہے۔''

(حقیقۃ الوحی' روحانی خزائن جلد 22صفحہ 325)

حضرت نعمت اللہ ولی ایک خدا رسیدہ صاحبِ الہام بزرگ گزرے ہیں۔ اُن کے ایک فارسی قصیدے کے اشعار میں بہت سی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ ایک شعر میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام لے کر امام آخر الزمان کی بعثت کی خبر دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے حضورؑ کے ایسے فرزندِ دلبند کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے عظیم والد کی یادگار ثابت ہوگا۔

ا ح م و دال مے خوانم
نامِ آں نامدار می بینم
دورِ اُو چوں شود تمام بکام
پسرش یادگار مے بینم

یعنی آنے والے کا نام میں نے 'ا' 'ح' 'م' اور 'دال' یعنی ''احمد'' دیکھا ہے۔ جب اُس کا زمانہ کامیابی سے گزر جائے گا تو اس کا بیٹا اس کی یادگار رہوگا۔ بالفاظ دیگر حسن واحسان میں اُس کا نظیر ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت نعمت اللہ ولی کا قصیدہ اپنی کتاب ''نشانِ آسمانی'' میں نقل فرمایا ہے۔

یہاں یہ بات ضمناً عرض ہے کہ بعض کالم نویس اپنے مضامین میں سہواً نعمت اللہ ولی کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں الگ وجود ہیں اور زمانی لحاظ سے بھی ہم عصر نہیں ہیں۔ نعمت اللہ ولی ایک باکمال بزرگ گزرے ہیں جبکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بارہویں صدی کے مُجدّد تھے۔ آپ نے قرآن مجید کا پہلا فارسی ترجمہ کیا۔ اور مسلمانانِ ہند میں احیائے سنت کیلئے تجدیدی خدمات سرانجام دیں۔ احمد شاہ ابدالی نے حضرت شاہ صاحب کی دعوت پر ہندوستان پر حملہ کر کے مرہٹوں کا زور توڑا۔ حضرت شاہ صاحب نے 2000 الہامی اشعار پر مشتمل کوئی قصیدہ اپنی یادگار نہیں چھوڑا۔ پیشگوئیوں پر مشتمل اشعار حضرت نعمت اللہ ولی کے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے اپنی تصنیف سوانح فضلِ عمرؓ میں یہود کی کتاب طالمود اور زرتشتی مذہب کے مُجدّد دساسانِ اوّل کی تحریر سے اسی قسم

کی بشارات پر مشتمل پیشگوئیاں درج فرمائی ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنے کیلئے ملاحظہ فرمائیے 'سوانح فضل عمرؓ جلد اوّل صفحہ 67,66۔

4۔ حضرت اقدسؑ کی تصریحات

اس پیشگوئی کے تجزیاتی مطالعہ میں سب سے زیادہ فیصلہ کن درجہ اُن تصریحات کو حاصل ہے جو اس پیشگوئی کے حوالے سے خود اس مامور کے قلم سے نکلی ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی نازل فرمائی ہے۔ اس ضمن میں یہ گزارش نوٹ کر لی جائے کہ ابتدا میں تعبیر اور تشریح میں بشری سہو ممکن ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی پیشگوئی ایک مشہور واقعہ ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو خواب میں مکہ سے اپنی ہجرت کا مقام دکھایا گیا اور کھجوروں کے درختوں کی وجہ سے اس کی تعبیر یمامہ فرمائی مگر حضور ﷺ نے باذن الٰہی ہجرت یثرب کی طرف فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ پر بھی پیشگوئی کے مصداق کے بارے میں انکشاف کر دیا تو حضورؑ اس بارے میں یکسو ہو کر اہم اشارات فرماتے رہے۔

''سراج منیر'' حضرت علیہ السلام کی 1897 کی تصنیف ہے۔ اس وقت پسرِ موعود کی ولادت کی 9 سالہ میعاد کی آخری حد 1895 کو ختم ہوئے دو سال ہو چکے تھے۔ اس کتاب میں حضورؑ نے بعض اہم پیشگوئیاں نمبروار درج فرمائی ہیں۔ ''پانچویں پیشگوئی'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیشگوئی کی اشاعت کیلئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں۔ اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا اور اب نویں سال میں ہے۔''

(سراج منیر' روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 36)

حضور علیہ السلام نے تریاق القلوب 1899 میں تحریر فرمائی۔ اس کتاب کی اشاعت چند سال کیلئے مؤخر رہی ہے۔ اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے طالبانِ حق کی راہنمائی کیلئے اپنی صداقتِ دعویٰ کے نشانات کا ذکر فرمایا ہے۔ بائیسویں نشان کے تحت درج فرماتے ہیں:

''میرا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے۔ ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ محمود۔ تب مَیں نے اس پیشگوئی کے شائع کرنے کیلئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا جس کی تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1888 ہے۔''

(تریاق القلوب' روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 214)

یہ بڑا ہی مبارک خواب ہے۔ علم تعبیر الرویاء میں ''مسجد'' سے جماعت مسلمین مراد لی جاتی ہے۔ اور اس کی دیوار پر نام لکھا جانا، اس کی امامت و قیادت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی عملی تعبیر بھی 1924 میں ظاہر ہوگئی جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قیام لندن کے دوران اس شہر میں پہلے خانہء خدا ''مسجد فضل لندن'' کا سنگِ بنیاد رکھا۔ جس کی دیوار پر حضورؓ کی لکھی ہوئی تحریر کا عکس آج بھی اُس یادگاری Plaque پر موجود ہے جو مسجد کی دیوار میں نصب ہے

ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

حضورؑ نے 1902 میں ایک اور کتاب ''نزول المسیح'' تحریر فرمائی۔ اس تصنیف میں حضرت اقدسؑ نے اُن 123 پیشگوئیوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا اس وقت تک ظہور ہو چکا تھا۔ پیشگوئی نمبر 49 میں پسرِ موعود کی ولادت کا ذکر ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ بذریعہ اشتہار وہ پیشگوئی شائع ہوئی پھر بعد اس کے وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رویاء کے مطابق محمود احمد رکھا گیا یہ پہلا لڑکا ہے جو سب سے بڑا ہے۔''

(نزول المسیح' روحانی خزائن جلد18 صفحہ 570)

رسالہ ''الوصیت'' حضور علیہ السلام نے دسمبر 1905 میں رقم فرمایا۔ اپنی متوقع وفات کی خبر دیتے ہوئے ''قیامِ خلافت'' کی بشارت بھی دی اور جماعت کو اہم نصائح فرمائیں۔ اس کتابچے میں نظامِ وصیت کے اجراء اور جماعت کے مالی اور انتظامی امور کیلئے صدر انجمن احمدیہ کے قیام کا اعلان بھی فرمایا۔ اس موقع پر مَیں رسالہ الوصیت کے اُس خاص صفحے کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جس پر حضورؑ کے یہ مشہور الفاظ درج ہیں:

''میں خدا کی ایک مجسّم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کے مظہر ہوں گے۔سوتم خدا کی قدرتِ ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو''

(الوصیت، روحانی خزائن جلد 20صفحہ 306)

اسی صفحہ پر ایک فُٹ نوٹ بھی موجود ہے جس میں حضورؑ کی ذُرّیت سے ایک فرد کے منصبِ خلافت پر متمکّن ہونے کی خبر دی گئی ہے۔حضورؑ فرماتے ہیں:

''خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کیلئے تیری ہی ذُرّیت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اُس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا اور اس کے ذریعہ سے حق ترقی کرے گا اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کریں گے۔سو اُن دنوں کے منتظر رہو اور تمہیں یاد رہے کہ ہر ایک کی شناخت اُس کے وقت میں ہوتی ہے۔''

(ایضاً صفحہ 306)

'حقیقۃ الوحی' حضورؑ کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے جو حضورؑ کی وفات سے تقریباً ایک سال قبل شائع ہوئی (تاریخ اشاعت 15مئی 1907)۔ایک مخالف مولوی عبدالرحمٰن محی الدین لکھو کے والے نے حضورؑ کے ابتــــر اور بے اولاد رہنے کے بارے میں اپنے الہام ''اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَر'' کی اشاعت کی۔مولوی مذکور کے اس ''الہام'' پر تبصرہ کرتے ہوئے حضورؑ نشان نمبر 160 کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ پر اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود احمد ہے۔وہ اگرچہ اب تک جو یکم ستمبر 1888 ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالےٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔یہ ہے وہ عبارت اشتہار سبز کے صفحہ سات کی جس کے مطابق جنوری 1889 میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود احمد رکھا گیا اور اب تک بفضلہٖ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترہویں سال میں ہے۔''

(حقیقۃ الوحی ' روحانی خزائن جلد 22صفحہ 374)

حضور علیہ السلام کی ان تصریحات پر غور فرمائیے۔پسرِ موعود کی ولادت سے قبل، ولادت کے بعد، بچپن حتّٰی کہ بلوغت کے بعد واضح اشارات موجود ہیں۔اگر سال کا حساب کتاب پیش نظر رکھا جائے تو 1886اور 1888 کے ابتدائی اعلانات کے بعد' حضورؑ نے اس پیشگوئی کا اپنی تصانیف میں' 1897 ,1899 ,1902,1905,1907 میں ذکر فرمایا ہے۔بار بار سبز اشتہار کا حوالہ دیا گیا ہے۔لڑکے کے نام کا ذکر کیا گیا ہے۔دو دفعہ عمر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ایک مرتبہ اس فرزندِ موعود کا لڑکوں میں سب سے بڑا ہونا بیان کیا گیا ہے۔لِلّٰہ بتائیے کیا یہ وضاحتیں ناکافی ہیں؟

5۔صحابہ کرام کا وجدان

صحابہ کرام وہ لوگ تھے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت،عقیدت اور صحبت میسر آئی۔حضورؑ کے دعاوی سنے اور صداقت کے دلائل سمجھے اور پھر اس پیغامِ حق کی اشاعت کی۔مہدیٔ موعودؑ کے ذریعے برپا ہونے والے انقلاب کی تاریخ کا حصہ بنے اور اسے معرضِ وجود میں آتے دیکھا۔حضورؑ کی تصانیف پڑھیں۔تقاریر سنیں۔صحابہ کرام ''مصلح موعود'' کی پیشگوئی سے واقف تھے۔صحابہ کرام صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو پسرِ موعود اور مصلح موعود سمجھتے تھے اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔صحابہ کرام میں سب سے بڑے عارف باللہ اور حضورؑ کی تصانیف اور تعلیمات کا سب سے زیادہ عرفان حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب کو تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور پیر سراج الحق نعمانی صاحب کی ایسی شہادتیں بہت مشہور ہیں۔بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی تحریری شہادت تو حضورؑ کے اپنے رسم الخط میں جماعت کے لٹریچر میں محفوظ ہے۔

1914 میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کے وقت' صحابہ کرام بکثرت زندہ تھے۔جماعت کی بھاری اکثریت نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کی۔یہ صحابہ کرام کے اُس وجدان وعرفان کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

اس موقع پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے بانی لیڈروں (مولوی محمد علی صاحب' خواجہ کمال الدین صاحب' شیخ رحمت اللہ صاحب' مرزا یعقوب بیگ صاحب' ڈاکٹر بشارت احمد صاحب' مولوی صدرالدین صاحب وغیرہ) اور ان کے احباب نے' جو صحابہ کے زمرے سے

تعلق رکھتے تھے کیوں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد کے مصلح موعود ہونے کا انکار کیا؟ ان حضرات نے پیشگوئی کا تو انکار نہیں کیا مگر یہ متبادل عقیدہ پیش کیا کہ مصلح موعود تین صدیوں بعد ظاہر ہوگا اور اُس وقت جماعت میں جو کمزوریاں اور خرابیاں پیدا ہو جائیں گی ان کی اصلاح کرے گا۔ اوّل تو اس تشریح میں کوئی وزن اور کشش نہیں۔ مزید برآں کئی مشکلات بھی حائل ہیں۔ پسر موعود کی ولادت کیلئے 9 سال کی مدت کے اندر ولادت کو تین سو سال تک کیسے مؤخر کیا جاسکتا ہے؟ پھر اس نشان کے اصل محرّک قادیان کے ''دہریہ نما'' آریہ اسلام کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نشان دیکھنا چاہتے تھے اور توفیق ایزدی سے انشراحِ صدر کی صورت میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کا عزم رکھتے تھے۔ کیا وہ 300 سال کے وعدہ پر مطمئن ہوسکتے تھے؟ اُن کے پڑپوتوں کو یہ پیشگوئی یاد رہے گی؟ اصل بات یہ ہے کہ صحابہ بھی بشر ہیں اُن سے بھی بشریت کے تحت اجتہادی غلطی صادر ہوسکتی ہے۔ طوالت کے خوف سے، میں صرف دو تین مثالوں پر اکتفا کروں گا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا مخلص صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ انہیں جنگِ بدر میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ صُلح حدیبیہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط، مصر کے حکمران مقوقس کے پاس یہی لے کر گئے تھے اور اس کا جواب اور تحائف یہی لے کر مدینہ آئے تھے۔ لیکن فتح مکہ کیلئے حضورؐ کی تیاریوں کا راز فاش کرنے کیلئے انہوں نے ایک خُفیہ خط مکّہ بھجوایا مگر حضورؐ کے حکم پر حضرت علیؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ یہ خط راستے سے واپس لے آئے۔ یہ اس صحابی کی بہت بڑی غلطی تھی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں ''منافق'' قرار دے کر سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا۔

(حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم' محمد حسین ہیکل' اسلامک بُک سینٹر دھلی' ایڈیشن 1984 صفحہ 518, 519)

حضرت ابوذر غفاریؓ ابتدائی دس صحابہ کرام میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر خلافتِ ثالثہ کے دور میں وہ رزق اور معاش کے معاملہ میں توکل علی اللہ کی یہ تشریح پیش کرنے لگے کہ اگلے دن کی روٹی کی بھی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ شام میں اُنہوں نے حضرت معاویہؓ کی انتظامیہ کو مشکل میں ڈال دیا۔ اُن کی شکایت پر حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو ذرؓ کو مدینہ بلوایا۔ یہاں آکر بھی اُنہوں نے اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کردی۔ خلیفہء وقت کے حکم پر اُنہیں مدینہ سے بھی باہر بھجوانا پڑا۔ چنانچہ وہ ربذہ نامی ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہوگئے اور وہیں 32 ہجری میں وفات پائی۔

(حیاۃُ الصحابہ (انگریزی) مرتبہ رفیع احمد فدائی' این ایم شیخ، ناشر بلال بُکس ممبئی۔ انڈیا، صفحہ 49تا59)

تیسری مثال حضرت امیر معاویہؓ کی ہے۔ حضرت معاویہؓ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے مگر انہوں نے دین میں غیر معمولی ترقی حاصل کی۔ اُمّ المؤمنین اُمِ حبیبہ (رَملہ بنتِ ابوسفیان) کے بھائی ہونے کی وجہ سے اُنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تک رسائی تھی۔ وہ کاتب وحی بھی رہے۔ اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ اور سعید بن المُسَیّب جیسے پائے کے تابعی نے اُن سے روایت کی ہے۔ کوئی اور صحابی تقریباً 20 سال تک کسی صوبے کا گورنر نہیں رہا۔ مگر ان تمام فضائل اور مناقب کے باوجود حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کردیا پھر اُن کے خلاف جنگ کی اور جنگِ صفین میں دونوں طرف سے صحابہ اور تابعین شہید ہوئے۔ اور اس سے بڑی اجتہادی غلطی یہ کی کہ اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کی جانشینی کی بیعت لی۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیت ایک اعزاز اور شرف ہے۔ معصوم عن الخطاء ہونے کی سند نہیں۔ عقائد، نظریات اور اعمال و اقوال میں سہو کے سرزد ہونے کا امکان اور احتمال بشریت کا نتیجہ ہے۔ ذاتی رنجش، آہستہ آہستہ ایک قسم کے تعصّب اور عناد کو جنم دے سکتی ہے۔ جماعت لاہور کے عمائدین کو بھی ابتداء میں اس قسم کی کیفیات سے واسطہ پڑا۔ نوبت عقائد ونظریات میں ترمیم وتغیّر تک پہنچی۔ انکارِ خلافت کے ساتھ ساتھ پیشگوئی مصلح موعود کے حوالے سے بھی نئی تشریح تلاش کرلی گئی۔

ان حضرات میں سے بعض نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ صاحبزادہ صاحب حلفیہ اعلان کریں کہ وہی مصلح موعود ہیں تو وہ قبول کرلیں گے۔ جب بعد میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے اللہ تعالیٰ سے اذن پاکر یہ مطلوبہ حلفیہ اعلان کردیا تو اُنہیں پھر بھی قبولِ حق کی توفیق نہ ملی۔ اُن میں سے ایک خواجہ کمال الدین صاحب اس حلفیہ اعلان سے قبل وفات پاگئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے

اُن کی غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھائی۔ اب ان صحابہ میں سے کوئی ایک بھی زندہ موجود نہیں۔ اُن کا معاملہ اب خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

6۔ پیشگوئی کے حوالے سے مخالفین کا رویّہ

پیشگوئی کے مدعا اور مقصود کو سمجھنے کیلئے ہمعصر مخالفین کا ردّ عمل خاص اہمیت رکھتا ہے کہ وہ کیا سمجھے؟ اس معاملہ میں دیکھا جائے گا کہ قادیان کے آریہ سماج کے ممبران جو اس پیشگوئی کے اصل محرک اور مخاطب تھے انہوں نے کیا اخذ کیا؟ اُن کے ایڈووکیٹ، پنڈت لیکھرام نے اپنی ''الہامی'' پیشگوئی بھی شائع کی۔ اگر اس پیشگوئی نے 300 سال بعد پورا ہونا تھا تو وہ اس کا لازماً ذکر کرتا۔ اگر مصلح موعود کی پیشگوئی نے کسی مرید یا پیروکار کے ذریعے پورا ہونا ہوتا تو وہ سارا زورِ قلم حضرت اقدس کی ذریّت کی متوقع تباہی اور بربادی پر خرچ نہ کرتا۔ اگر وہ پسر موعود کی ولادت کی مدّت کو 9 سال کے اندر محدود نہ سمجھتا تو 3 سال کے اندر اندر حضور علیہ السلام کے خاتمہ کی پیشگوئی شائع نہ کرتا۔ یہ تمام پہلو اس پیشگوئی کے سیاق وسباق کو سمجھنے کیلئے بے حد اہم ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ نے ''سوانح فضل عمر'' میں حضرت اقدسؑ اور پنڈت لیکھرام دونوں کی پیشگوئیوں کا تقابلی مطالعہ ایک جدول بنا کر پیش فرمایا ہے۔ یہ نقشہ دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ مخالفین نے مصلح موعود کی پیشگوئی سے کیا اخذ کیا تھا؟ پنڈت لیکھرام نے اپنی ''مذہب نُما'' دہریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت اقدس کی پیشگوئی کے الہامی الفاظ کے مقابل پر ہم وزن یا مخالف دل آزار الفاظ گھڑنے کی کوشش کی۔ معذرت کے ساتھ پنڈت لیکھرام مذکور کی بعض خرافات پیش ہیں:

''سخت ذہین وفہیم ہوگا'' کے مقابلے پر لکھا کہ پسرِ موعود نہایت غبی اور کودن ہوگا۔

''دل کا حلیم اور علومِ ظاہر و باطنی سے پُر کیا جائے گا'' کے ردّ میں لکھا کہ نہایت غلیظ القلب ہوگا اور علومِ صوری اور معنوی سے قطعی محروم ہوگا۔

''اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا'' کے جواب میں لکھا کہ خدا کہتا ہے وہ دائم الحبس ہوگا (یعنی عمر قید کی سزا پائے گا۔ ناقل)

''زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا''، تمسخر کرتے ہوئے اس الہامی خبر کے بارے میں لکھا کہ اس رذیل کا نام قادیان میں بہت نہ جانیں گے۔

''میں تیری ذُریّت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا'' خدا کہتا ہے میں مرزا کی ذُریّت کو منقطع کروں گا اور نحوست دوں گا۔

9 سال کے اندر اندر پسر موعود کی متوقع ولادت کے حوالہ سے لکھا کہ مرزا صاحب کی شہرت زیادہ سے زیادہ 3 سال تک رہے گی۔

(کلیاتِ آریہ مسافر، حصہ سوم 496 تا 498 بحوالہ سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ 59 تا 63)

جو لوگ اس عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کے منکر ہیں یا اس کی رکیک تاویلیں کر رہے ہیں وہ لحہ بھر کیلئے یہاں رُک کر سوچ لیں کہ وہ کس کی ہمنوائی کر رہے ہیں؟ پنڈت لیکھرام کا حضرت اقدسؑ سے کوئی ذاتی جھگڑا نہ تھا۔ دشمنی کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضور اسلام، قرآن اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بڑے زور سے ثابت کرنے میں شبانہ روز مصروف تھے اور تازہ نشانات اور معجزات دکھانے کا دعویٰ کرتے تھے۔

پنڈت لیکھرام کو سچے خدا پر افترا کی سخت سزا ملی۔ حضورؑ کی پیشگوئی کے مطابق 6 سال کے اندر، 6 مارچ 1897 کو دردناک عذاب کا شکار ہو کر ابتر اور ناکام و نامراد دُنیا سے اُٹھ گیا۔ حضرت اقدسؑ کی 3 سال کے اندر موت اور حضورؑ کی ذُریت سے کوئی بھی باقی نہ رہے گا کی پیشگوئی کرنے والا پسرِ موعود سمیت، حضورؑ کے تین فرزند اور پھلتا پھولتا سلسلہ دیکھ کر حسرت ویاس کے ساتھ دارِ فانی سے رُخصت ہوا۔

7۔ پیشگوئی کا مصداق وجود

اب ہم پیشگوئی کے ظہور کے مرحلہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس مقصد کیلئے ہمیں پیشگوئی کے مصداق وجود کی تعیین کرنا ہے۔ پیشگوئی کے اعلان کے بعد حضورؑ کے ہاں کئی بچوں کی ولادت ہوئی۔ ان میں سے تین لڑکوں کا بڑھاپے کی عمر تک پہنچنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام، احباب جماعت اور خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی پیشگوئی کے مطالعہ کے بعد یہی سمجھتے تھے کہ آپ ہی اس کے مصداق ہیں مگر آپ نے لمبے عرصے تک کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ حتّٰی کہ 7/8 جنوری 1944 کی درمیانی رات آپ پر ایک رویاء میں

یہ حقیقت ظاہر کردی گئی۔ رویاء میں حضرت نبی کریم ﷺ نے آپ کی زبان سے کلام فرمایا:

اَنَا محمدٌ عبدہٗ ورسولہٗ

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کلام کیا:

اَنَا الْمَسِیحِ الموعود

اس کے بعد حضورؓ نے رویاء ہی میں اعلان کیا۔

وَاَنَا المسیح الموعود و مثیلُهٗ و خَلیفتهٗ

یہ رویاء ایک عظیم روحانی تجربہ تھا۔ اس انکشاف میں حضورؓ پر حضرت مسیح موعود کا مثیل اور نظیر ہونا بھی واضح کردیا گیا۔ اس رویاء کے بعد حضور نے مسجد اقصیٰ قادیان میں 28 جنوری 1944 کے خطبہ جمعہ میں مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسی سال حضورؓ نے تحدیثِ نعمت اور اتمام حجت کیلئے غیر منقسم ہندوستان کے 4 مقامات پر اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا اعلان فرمایا جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

☆۔ ہوشیار پور۔۔۔20 فروری 1944

☆۔ لاہور۔۔۔ 12 مارچ 1944

☆۔ لدھیانہ۔۔۔ 23 مارچ 1944

☆۔ دہلی۔۔۔16 اپریل 1944

ہوشیار پور میں یہ جلسہ شیخ مہر علی صاحب کے طویلہ کے قریب منعقد کیا گیا۔ جہاں 1886 میں حضورؑ کو 40 دن تک کی چِلّہ کشی کے بعد یہ الہامی پیشگوئی عطا فرمائی گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اُس مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ اعلان کیا:

''وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس شہر، ہوشیار پور میں سامنے والے مکان میں نازل ہوئی، جس کا اعلان آپ نے اس شہر میں فرمایا۔۔۔ وہ پیشگوئی میرے ذریعے سے پوری ہوچکی ہے۔ اور اب کوئی نہیں جو اس پیشگوئی کا مصداق ہوسکے۔''

(سوانحِ فضلِ عمر جلد سوم صفحہ 387)

لاہور میں منعقدہ جلسہ میں حضورؓ نے یہ اعلان فرمایا:

''میں اس واحد قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اُس کے عذاب سے بچ نہیں سکتا کہ خدا نے مجھے اس شہر لاہور میں 13 ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں۔''

(الفضل 15 مارچ 1949 بحوالہ سوانح فضل عمر حصہ سوم صفحہ 388)

1944 کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضورؓ نے پیشگوئی مصلح موعود کے موضوع پر ایک مبسوط تقریر کی جو ''الموعود'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ اس تقریر کے آخر میں بھی حضورؓ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر مصلح موعود ہونے کا اعلان کیا:

''میں کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور مجھے ہی اللہ تعالیٰ نے ان پیشگوئیوں کا مورد بنایا ہے جو ایک آنے والے موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائیں جو شخص سمجھتا ہے کہ میں نے افتراء سے کام لیا ہے یا اس بارہ میں جھوٹ اور کذب بیانی کا ارتکاب کیا ہے وہ آئے اور اس معاملہ میں میرے ساتھ مباہلہ کرلے اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی موکد بعذاب قسم کھا کر اعلان کردے کہ اُسے خدا نے کہا ہے کہ میں جھوٹ سے کام لے رہا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ خود اپنے آسمانی نشانات سے فیصلہ فرمادے گا کہ کون کاذب ہے اور کون صادق''

(بحوالہ سوانح فضل عمر جلد سوم صفحہ 375)

پسر موعود کی ولادت کیلئے 9 سال کی حد بندی ایک اہم پہلو ہے۔ اگر پیشگوئی کے اعلان سے یہ مدت شمار کی جائے تو 1895 بنتی ہے۔ حضورؑ کے صاحبزادوں کی تاریخ ولادت کا ریکارڈ درج ذیل ہے:

☆۔ حضرت مرزا محمود احمد صاحب۔۔۔ 12 جنوری 1889

☆۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔۔۔20 اپریل 1893

☆۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔۔۔24 مئی 1895

☆۔ حضرت مرزا مبارک احمد صاحب۔۔۔ 14 جون 1899

حضرت مرزا مبارک احمد صاحب 9 سالہ میعاد کے بعد پیدا ہوئے اور حضورؑ کی

زندگی ہی میں 1907 میں فوت ہو گئے۔ عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زندگی ہی میں علی الترتیب 1961 اور 1963 میں وفات پا گئے۔ حضرت اقدسؑ کے صاحبزادوں میں سے صرف حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ہی نے مصلح موعود کا دعویٰ کیا اور بار بار حلفیہ اعلان کیا۔

دُنیاوی عدالتوں میں بھی کسی شخص کا ''حلفیہ بیان'' قانونی وزن رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عدالتِ عُظمیٰ میں ہزاروں لوگوں کے سامنے کئے گئے حلفیہ اعلانات کو تخفیف کی نگاہ سے دیکھنا اور اس اتمام حجّت سے فائدہ نہ اٹھانا، ایک لحاظ سے اُس قادر و قیوم اور علیم و خبیر کے پاک نام کی توہین ہے!

9 سال کی مدت کا اہم الہامی پیشگوئیوں سے خاص تعلق معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ الرُّوم کی آیات 2 تا 5 میں بازنطینی رومیوں کے مملکتِ ایران پر غالب آنے کی پیشگوئی کے پورا ہونے کیلئے یہی مدت مقرر کی گئی ہے بلکہ اس پیشگوئی کو ایک اور پیشگوئی سے منسلک کیا گیا ہے کہ اُس وقت مسلمان بھی بہت خوش و خرم ہوں گے۔ سورۃ روم بعثتِ نبوی کے پانچویں یا چھٹے سال یعنی 616ء میں نازل ہوئی اور 9 سال کے اندر ہرقل (Heracules) نے ایران کو مغلوب کر لیا۔ حضورؐ کی ہجرتِ مدینہ 622ء کے وقت اس نے ایران سے لڑائی چھیڑ دی اور 624 تک قلبِ فارس تک پہنچ کر اُن کے سب سے بڑے آتش کدے کو تباہ کر دیا۔ اسی سال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو میدانِ بدر میں کفارِ مکہ پر عظیم الشان فتح عطا فرمائی۔

ایک اور دلچسپ بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت رسول کریم ﷺ کے اِذن سے ایک مکّی سردار اُبی بن خلف سے اس پیشگوئی کے حوالے سے یہ شرط لگائی کہ اگر یہ پیشگوئی 9 سال کے اندر اندر پوری نہ ہوئی تو وہ ابی بن خلف کو 100 اونٹ دیں گے اور اگر یہ پیشگوئی پوری ہوگئی تو ابی بن خلف 100 اونٹ دینے پر مکلّف ہوگا۔ پیشگوئی کے پورا ہونے پر ابی بن خلف کے ورثا نے حضرت ابو بکرؓ کو 100 اونٹ دے دیئے۔ شرط کے یہ اونٹ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت رسول کریم ﷺ کے حکم پر صدقہ کر دیئے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر بیان القرآن جلد دوم صفحہ 1066)

8۔ پیشگوئی کا ایمان افروز ظہور

پسرِ موعود کی ولادت سے کئی سال قبل مشتہر کی جانے والی پیشگوئی میں مجموعی طور پر پچاس کے لگ بھگ علامات و نشانات ہیں۔ ان تمام پہلوؤں کے پورا ہونے کا تذکرہ بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب میں سمائے گا۔ بطور نمونہ، دو تین علامات کے حوالے سے مختصر اشارات شہادت کے ثواب کی خاطر پیشِ خدمت ہیں۔

① کلام اللہ کے مرتبہ کا اظہار

اس زمانے میں اُمّہ نے قرآن کو ایک مہجور کی طرح چھوڑ رکھا ہے۔ غلط تفسیروں نے کلام الٰہی کے پیغام کو نادانستہ طور پر اس طرح مسخ کیا ہے کہ ان تفاسیر و تشریحات کو اسلام پر اعتراضات کیلئے استعمال کیا جانے لگا ہے۔ تقریباً سات ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل تفسیر کبیر کے علاوہ حضورؓ کا تفسیری ترجمہ ''تفسیر صغیر'' کی شکل میں موجود ہے۔ حضورؓ کے دو ہزار کے لگ بھگ خطبات اور مختلف جلسوں اور تقاریب میں ان گنت تقاریر بھی بنیادی طور پر قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تشریح پر مشتمل ہیں۔ علمائے سلسلہ نے حضورؓ کی تفسیر کی خصوصیات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کلام اللہ کے مرتبہ کے اظہار کیلئے حضورؓ اپنی تفسیر میں قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا ازالہ کرنے پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی معصومیت اور علو مرتبہ کا تحفظ حضورؓ کی تفسیر کا ایک اور امتیازی پہلو ہے۔ سورتوں کے مضامین کا باہمی ربط و تسلسل ایک اعجازی شان کا حامل ہے۔

یہ یاد رہے کہ حضورؓ نے مذہبی علوم کے حصول کیلئے کسی دینی درسگاہ سے استفادہ نہیں کیا۔ مکتبِ رُوحانیت کے اس ''طفلِ مکتب'' کو یہ تمام علوم خود خدا نے سکھائے اور اُسے استادوں کا اُستاد بنا دیا۔ اپنے والدِ ماجد کی طرح یہ شعر فرزندِ موعود پر بھی صادق آتا ہے ؎

دِگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

حضور کے اس اعتماد و توکل اور یقین و عزم کو بھی ملاحظہ فرمائیے:

''میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ بے شک ہزار علماء بیٹھ جائیں اور قرآن مجید کے کسی حصہ کی تفسیر میں میرا مقابلہ کریں مگر دُنیا تسلیم کرلے گی کہ میری تفسیریں حقائق و معارف اور رُوحانیت کے لحاظ سے بے نظیر ہیں۔''

(فرقان اپریل 1944 صفحہ 99 بحوالہ سوانح فضل عمر جلد سوم صفحہ 395)

پاک و ہند کے مشہور ادیب، نقاد، اور دانش ور علامہ نیاز فتح پوری نے تفسیر کبیر کی ایک جلد پڑھنے کے بعد حضورؓ کی خدمت میں خط لکھا:

''تفسیر کبیر جلد سوم آج کل میرے سامنے ہے اور میں اسے بڑی نگاہِ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کو بڑے حُسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔
آپ کے تبحر علمی، آپ کی وسعت نظر، آپ کی غیر معمولی فکر و فراست، آپ کا حُسن استدلال، اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا۔ کاش میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔''

(الفضل 17 نومبر 1963 بحوالہ سوانح فضل عمر جلد سوم صفحہ 164،163)

صدقِ جدید کے ایڈیٹر علامہ عبدالماجد دریا آبادی (قرآن مجید کے مترجم اور مُفسّر) نے حضورؓ کی وفات کی خبر دیتے وقت لکھا:

''قرآن اور علوم قرآن کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں اُنہوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں، ان کا اللہ انہیں صلہ دے۔ علمی حیثیت سے قرآنی حقائق و معارف کی جو تشریح و تبیین و ترجمانی وہ کر گئے اس کا بھی ایک بلند و ممتاز مرتبہ ہے۔''

(صدق جدید لکھنؤ 18 نومبر 1965 بحوالہ سوانح فضل عمر جلد سوم صفحہ 168)

مصلح موعودؓ کے قلبِ صافی میں علوم قرآن کی اشاعت کی تڑپ کا اندازہ حضورؓ ہی کے اس شعر سے ہوتا ہے ؎

پانی کردے علومِ قرآں کو
گاؤں گاؤں میں ایک رازی بخش

۴ علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا

حضورؓ کی تصانیف، تالیفات، ہزارہا خطبات و تقاریر علم کا وسیع خزانہ ہیں۔ اُن کا مجموعہ تقریباً تین سو کتابی مطبوعات کے لگ بھگ ہوگا۔ ذی علم حضرات کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔ مگر یہاں تین پہلو قابل غور ہیں۔

i۔ حضورؓ نے انتہائی مصروف زندگی گزاری۔ جماعت کی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ روزانہ پنجوقتہ نماز کی امامت صحت کی حالت میں خود کرتے۔ سفر و حضر کے پروگرام الگ، جماعتی اور دیگر تقاریب میں شرکت اس پر مستزاد، روزانہ موصول ہونے والے خطوط کا مطالعہ اور اُن کے جوابات، اس کے باوجود مطالعہ، تقریر و تلقین اور تصنیف و تالیف کیلئے وقت نکالنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔

ii۔ حضورؓ کی تصانیف اور مطبوعات پر ایک سرسری نظر ڈال کر دیکھ لیجئے مضامین و عناوین کی وسعت اور تنوع دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے تفسیر قرآن، موازنہء مذاہب، سیرۃ النبیؐ، مقام حدیث، عقائد و کلام، تصوّف، تاریخ اسلام، اقتصادیات، سیاسیات، حالاتِ حاضرہ اور مابعد الطبیعات اور الٰہیات کے نازک موضوعات مثلاً ہستی باری تعالیٰ، ملائکۃ اللہ، تقدیرِ الٰہی وغیرہ۔ ایسے ایسے میدانوں میں آپ کا قلم جولانیاں دکھا رہا ہے جہاں اربابِ علم و دانش، بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے تخصص حاصل کرنے کے بعد ہی قدم رکھنے کی جرأت کرتے ہیں۔

iii۔ سب سے حیران کُن پہلو یہ ہے کہ یہ علوم کس وقت اور کہاں سے حاصل کئے؟ علوم ظاہری میں انٹرنس کے امتحان میں صرف عربی اور اُردو میں کامیاب ہو سکے۔ دینی علوم میں صرف قرآن مجید اور بخاری شریف حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے ''پڑھے''۔ پڑھنے کا مطلب ''سُننا'' ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ پڑھتے جاتے تھے اور حضورؓ سنتے رہتے۔ حسب موقع تھوڑی بہت تشریح بھی کر دیتے۔ اگر حضورؓ کوئی سوال پوچھتے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ''میاں اس پر خود غور کرنا''۔ یہ ''خود غور کرنا'' نسخہء کیمیاء ثابت ہوا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کرنے والی ہستی کون تھی؟ علیم و خبیر مالک ارض و سما، جو تمام علوم کا منبع و مخزن ہے۔

③ اسیروں کی رستگاری کا موجب

اسیر زلف و رُخسار اور گرفتارِ محبت کے علاوہ بھی اسیری کی کئی شکلیں اور قسمیں ہیں۔غلط عقائد و نظریات اور رسوم و رواج کے اسیر، بدعادات و اطوار کے اسیر، حقوق و مراعات سے محرومی کے شکنجے میں کسے ہوئے اسیر، سامراجی طاقتوں (Colonial Powers) کی محکومیت کے اسیر اور سب سے بڑھ کر شیطان کے لادینی چُنگل کے اسیر، الہامِ الٰہی میں اسیری کی کسی خاص قسم کی تعیین نہیں کی گئی۔عموم سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسیحا نفس کی برکتوں سے ہر قسم کے اسیر فیضیاب ہوں گے اور ان کی زنجیریں کاٹی جائیں گی۔ چونکہ میں صرف اشارات سے کام لے رہا ہوں۔یہاں بھی صرف تین اشارے کروں گا۔

☆......ڈوگرہ راج کے دور میں، کشمیری مسلمانوں کے حقوق کیلئے کشمیر کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے حضورؓ کو گرانقدر خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ یہ عظیم خدمات اب تاریخ مسلمانانِ کشمیر کا حصہ ہیں۔کشمیری لیڈروں کے خطوط سمیت تمام دستاویزات کے ثبوت اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

☆......حضورؓ کی ہدایات کے تحت، دنیا کے مختلف ممالک میں مبلغین کی خدمات کے نتیجے میں ہزاروں لوگوں کو شرک، غلط عقاید، توہمات اور معصیت کی زنجیریں کاٹ کر قبول حق کی توفیق ملی۔ برطانیہ کے ایک پادری کے بیٹے آرچرڈ کو ''بشیر'' بن کر آکسفورڈ یونیورسٹی میں تبلیغ کرنے کی توفیق ملی۔ڈنمارک کا میڈیسن، پادری بنتے بنتے نہ صرف یہ کہ مسلمان ہوا بلکہ ''عبدالسلام'' بن کر قرآن مجید کا ڈینش زبان میں ترجمہ کیا اور اپنے آپ کو تبلیغ اسلام کیلئے وقف کیا۔ راقم الحروف نے اس مبارک انسان کو ''اسیروں کے رستگار'' کے آباد کئے ہوئے شہر ''ربوہ'' میں اپنی آنکھوں سے گرمیوں کے موسم میں رمضان گزارتے دیکھا ہے۔ مجھے بشیر آرچرڈ صاحب سے بھی ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ صرف دو مثالیں ہیں۔ہزاروں اسیر رہا ہو کر دائرہٗ اسلام کے دارالامان میں داخل ہوئے!

☆......ایشیا اور افریقہ میں بہت سی قومیں، سامراجی طاقتوں کے تحت لمبے عرصے تک محکوم رہی ہیں۔میں ان قوموں کی آزادی اور استقلال کی تاریخ پر نظر ڈالنے کی درخواست کروں گا۔ یہ ریکارڈ اپنے دامن میں تاریخ کا ایک بہت بڑا روحانی راز سمیٹے ہوئے ہے۔حضورؓ نے 1944 میں مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور 1965 میں آپ کی رُوح اپنے نفسی نقطہء آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔ ایشیا اور افریقہ کی اُن محکوم اقوام کی آزادی کی تاریخوں کا ایک گوشوارہ بنا لیجئے۔ اُن میں سے 90 فیصد اقوام کو اس درمیانی عرصہ یعنی 1944 تا 1965 آزادی ملی ہے۔یہ بھی اس پیشگوئی کی ایک علامت تھی کہ اتنی زیادہ محکوم قوموں کو اُس مسیحا نفس کی برکت سے آزادی نصیب ہوگی۔اسے ہم ایک ''اتفاق'' کہہ کر نظر انداز نہیں کر سکتے۔الہامِ الٰہی میں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ''قومیں اس سے برکت پائیں گی''۔

9۔ پیشگوئی کے بعض اور مُدعی

جماعت لاہور کے بعض عمائدین نے ظہور مصلح موعود کو تین صدیوں کیلئے معلّق کر دیا۔لیکن بعض اور لوگوں نے حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کے دعویٰ مصلح موعود سے پہلے اور بعد میں خود کو اس پیشگوئی کے مصداق کے طور پر پیش کیا۔ممکن ہے یہ انسانی فطرت کی کمزوری کا نتیجہ ہو کہ ایسے لوگ پیشگوئی کی عظمت سے متاثر ہو کر اُس کا مصداق ہونے کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ایسا کرنے والوں کی تحلیل نفسی کی افادیت ایک الگ موضوع ہے۔لیکن ایسے کئی مدعیوں کا موجود ہونا پیشگوئی کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک موسوی مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئی تھی۔سچا مسیح آیا اور دکھ اُٹھا کر ارضِ فلسطین سے گمشدہ بھیڑوں کو تلاش کرنے کیلئے ہجرت کر گیا اور یہود و نصاریٰ کے بقول مقتول یا مصلوب ہو گیا۔اس مسیح کے بعد اب تک یہود اپنے خیالی ''سچے'' مسیح موعود کے منتظر ہیں۔ عالمِ انتظار میں کئی لوگ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر چکے ہیں۔ یہی کیفیت ہمیں ظہور مہدی کی پیشگوئی کے حوالے سے نظر آتی ہے۔پیشگوئی کے مطابق مدعیان مہدویت کی ایک لمبی فہرست موجود ہے مگر سچے مہدی نے ظاہر ہو کر ان سب کی خوش فہمی یا غلط فہمی کا ازالہ کر دیا! رفیق دلاوری صاحب کی کتاب آئمہ تلبیس، (ناشر مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور' ایڈیشن 1987) سے مجھے مصلح موعود کا دعویٰ کرنے والوں کے چند نام ملے ہیں:

یار محمد ہوشیار پوری (صفحہ 412)، محمد صدیق بہاری (صفحہ 415)، شیخ

غلام محمد (صفحہ 419)۔ الیاس برنی صاحب نے اپنی کتاب قادیانی مذہب (ناشر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان ایڈیشن 2001) میں بھی ان لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ (صفحات 1011, 1015, 1021)

دعویٰ کرنا تو شاید آسان ہو مگر پیشگوئی کی زمانی اور مکانی قیود و شرائط کی تطبیق اور علامات کی کسوٹی پر پورا اترنا اصل مشکل مرحلہ ہے۔ پچاس کے لگ بھگ متنوع ذہنی، قلبی، روحانی، مالی، سیاسی اور بین الاقوامی علامات، جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کے منصب پر متمکن ہونا بھی شامل ہے، کا مصداق ہونا تو بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اُن مدعیوں میں سے کوئی ایک بھی اُنہیں سمجھ بھی نہیں سکا۔

مجھے مخالفین کا لٹریچر پڑھنے کے مواقع ملتے رہے ہیں اور تقریباً پچاس سال اس دشت کی سیاحی میں گزرے ہیں۔ ''دُنیا کے کناروں تک شہرت پانا'' تو دُور کی بات ہے اگر یہ کتاب مجھے نہ ملتی تو میں ان مدعیوں کے نام بھی جاننے سے محروم رہتا۔ آج روئے زمین پر کوئی ایک فرد بھی ان کا پیروکار نہیں!

حال ہی میں ان مدعیوں کی فہرست میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا ہے۔ عبدالغفار جنبہ نامی ایک صاحب جرمنی میں مقیم ہیں۔ وہ کہتے ہیں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب پیشگوئی کے مطابق ''فرزندِ موعود'' ہیں مصلح موعود نہیں۔ جنبہ صاحب ''زکی فرزند'' ہونے کے مدعی ہیں اور ''مصلح موعود'' بھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ایک مصرعہ میں موجود الفاظ ''غلامِ مسیح الزّماں'' کو اپنی بشارت قرار دیتے ہیں۔

20 فروری 1886 کے اشتہار میں درج ذیل الفاظ موجود ہیں:

''ایک زکی غلام تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ذُریّت و نسل ہوگا۔''

''زکی غلام'' کوئی الگ وجود نہیں۔ اس کا مسیح موعودؑ کے تخم سے ہونا واضح طور پر بیان کیا گیا مگر یہ حضرت عذر کر سکتے ہیں کہ دو الگ الگ فقرے ہیں۔ یہی پیشگوئی حضورؑ نے آئینہ کمالات اسلام میں عربی زبان میں بھی درج فرمائی ہے۔ وہاں ''زکی غلام'' والی خبر ایک ہی فقرہ میں درج ہے:

''وسیعطیٰ لک غلام زکی من صلبک و ذُریّتک و نسلک و یکون من عبادنا الوجیھین''

(روحانی خزائن جلد5 صفحہ 577)

اسی طرح یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:

''وَ ینشر ذِکْرُہُ وَرَیحانھُ اِلیٰ اَقصی الاَرْضَین۔ امام ھمام۔ یبارک منه اقوام''

(ایضاً صفحہ 578)

یعنی اس کا ذکر، رحمت، مہربانی زمین کے کناروں تک پہنچے گی۔ بزرگ ہمت امام سے قومیں برکت پائیں گی۔ (ڈکشنری میں ریحان کے بڑے پیارے 17 معانی دیئے گئے ہیں حسن اللغات، ناشر اورینٹل بُک سوسائٹی لاھور صفحہ 450)

جنبہ صاحب اس بات پر سخت نالاں اور شاکی ہیں کہ قوموں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے کوئی برکت حاصل نہیں کی۔ ''اگر کسی قوم نے برکت پائی ہوتی تو آج ہمارا بھی کوئی ملک ہوتا اور ہم یہود کی طرح دربدر کی ٹھوکریں نہ کھا رہے ہوتے۔''

(مصلح موعود مصنفہ عبدالغفار جنبہ صفحہ 12)

یہ بات اُنہیں اُس وقت زیب دیتی اگر جرمن قوم ہی اُن سے برکت پالیتی اور اُنہیں اپنا سربراہ بنالیتی یا کم از کم ایک صوبے کی گورنری یا کسی شہر کی سرداری ہی سونپ دیتی! دُنیاوی تاج و تخت کے حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے مسلک کی وضاحت فرما چکے ہیں ؎

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جُدا
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

10۔ اہل ایمان کا یقین و اخلاص

کسی مدعی کے ماننے والوں کا وجود بھی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی بے لوث محبت اور اخلاص و فدائیت سے اس میں مزید چمک دمک پیدا ہو جاتی ہے۔ بازارِ محبت میں مشتاق خریداروں کے جمِ غفیر سے ہی یوسفِ کنعاں کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خلافت پر یقین رکھنے والی شکور جماعت کے لاکھوں افراد نے حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ سے اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال سے بڑھ کر محبت کی۔ اور انہیں اس پیشگوئی کا مصداق تسلیم کیا اور حتی المقدور معروف باتوں میں اطاعت کے تقاضے پورے کئے۔ حضورؓ نے جماعت کی ترقی کیلئے کئی تحریکات جاری کیں۔ ہر تحریک توقعات سے بڑھ کر کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ جماعت کی انتظامی ضروریات کیلئے نظارتوں کا نظام وضع فرمایا۔ اس کے تحت تمام شعبے اور صیغے بطریقِ احسن خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ 1934 میں تحریک جدید اور 1958 میں وقفِ جدید کا اجراء ہوا۔ آج یہ دونوں مضبوط بین الاقوامی تحریکوں کے طور پر اپنا رول ادا کر رہی ہیں۔ جماعت کی تربیت کیلئے حضورؓ نے لجنہ اماء اللہ، انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ ذیلی تنظیمیں جاری فرمائیں اور ان کے تحت ناصرات الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کے گروپ قائم کئے۔ یہ سب تنظیمیں ان تمام ممالک میں کام کر رہی ہیں جہاں جہاں جماعت احمدیہ قائم ہے۔ جماعت کی آمد وخرچ کا بجٹ کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے۔ جماعت میں مجلس شوریٰ کا نظام موجود ہے بلکہ ذیلی تنظیموں کی مجالس شوریٰ بھی ہر ملک میں منعقد ہوتی ہیں۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مصلح موعود نے جس کام میں ہاتھ ڈالا وہی بابرکت ثابت ہوا، جو سکیم بھی جاری کی وہ افادیت کے شیریں پھلوں سے لدگئی۔ مخلص اور جذبہء وفاو محبت سے سرشار فدائیوں کی جماعت کے بغیر ایسی کامیابی ناممکن تھی۔ بسا اوقات ڈکٹیٹروں کی سکیمیں اُن کے خوف اور دہشت کی وجہ سے کامیاب ہو جاتی ہیں۔ مگر منظر بدلتے ہی ان کی بنائی ہوئی پالیسیوں کے محل زمیں بوس ہوجاتے ہیں۔ بعض نے عظیم الشان فوجوں کے بل بوتے پر فتوحات حاصل کر لیں مگر انہیں بھی اپنے اپنے واٹرلو اور ماسکو لے ڈوبے۔ یہاں نہ خوف ہے نہ تشدّد، نہ فوج ہے نہ ملیشیا۔ صرف لِوَجْہِ اللہ محبت اور عقیدت ہے جو حضورؓ کی زندگی میں موجزن تھی، اُس کے دھارے آج تقریباً 50 سال گزرنے کے بعد اُسی طرح رواں دواں ہیں ؎

تھے سامنے تو منظورِ نظر راحتِ جاں تھے
اب جانِ تمنّا ہو جو تم ہم سے جُدا ہو

پیارے آقا کو بھی شمع خلافت کے ان پروانوں کی فدائیت کا اندازہ تھا۔ حضورؓ نے 12 مارچ 1944 کو لاہور کے جلسہ مصلح موعود کے موقع پر عُشّاقِ احمدیت کی اس محبت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

''خُدا نے مجھے وہ دل بخشے ہیں جو میری آواز پر ہر قربانی کیلئے تیار ہیں۔ میں اُنہیں سمندر کی گہرائیوں میں چھلانگ لگانے کیلئے کہوں تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کیلئے تیار ہیں۔ میں اُنہیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرانے کیلئے کہوں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرادیں۔ میں اُنہیں جلتے ہوئے تندوروں میں کُود جانے کا حکم دوں تو جلتے ہوئے تندوروں میں کُود کر دکھادیں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی اگر خودکشی اسلام میں ناجائز نہ ہوتی تو مَیں اس وقت تمہیں یہ نمونہ دکھا سکتا تھا کہ جماعت کے سو آدمیوں کو مَیں پیٹ میں خنجر مار کر ہلاک ہو جانے کا حکم دیتا اور وہ سو آدمی اسی وقت اپنے پیٹ میں خنجر مار کر مرجاتا۔''

(سوانحِ فضلِ عمر حصہ سوم صفحہ 389)

جن غلطی خوردہ لوگوں نے ''مصلح موعود'' ہونے کے دعوے کئے کیا اُنہیں بھی ایسے جاں نثار عطا ہوئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن میں ہر ایک یوسف بے کارواں کی طرح بھٹکتا رہا اور آج تاریخ زبانِ حال سے اُن پر "One Man Army" کی پھبتی کس رہی ہے؟

11۔ اظہارِ تشکر وامتنان

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پرانے زمانے میں بھی اپنے انبیاء اور اولیاء کی وساطت سے ایسے ایمان افروز نشانات دکھاتا رہا ہے۔ آج سے تقریباً 4000 سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی ''قربانی'' کے ابتلاء کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی گئی۔ (الصّٰفّٰت آیت 113) پھر تقریباً 2000 سال پہلے حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری دی گئی (سورۃ مریم آیت 8) پھر اُس عہد میں اسی خاندان کی ایک خاتون، حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی بشارت دی گئی (سورہ مریم آیت 20) پھر یہ پہلو بھی پیشِ نظر رکھیئے گا کہ خدائے قادر وقیوم نے ان مبارک ہستیوں کی پیدائش سے قبل ان کی بعض صفات کی بھی خبر دی۔ مجھے یہ معلوم کر کے حیرانی

ہوئی کہ ان میں سے بعض صفات کا مصلح موعود کی پیشگوئی میں توارد ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزندِ موعود کو ''غلام حلیم'' کہہ کر بشارت دی گئی۔ اگرچہ قرآن مجید میں اسماعیل نام رکھنے کا ذکر نہیں مگر تورات میں ذکر ہے کہ فرشتہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو بچے کا نام ''اسماعیل'' رکھنے کا پیغام پہنچاتا ہے۔

(پیدائش باب 16آیت 12)

حضرت یحییٰ کو کلمۃ اللہ، اور حصور یعنی عفیف کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔

(آل عمران آیات 39تا40)

اسی طرح دل کا حلیم، والدین کا فرض شناس اور فرمانبردار فرزند اور بچپن ہی سے حکمت سے بہرہ ور ہونا بیان کیا گیا ہے۔

(سورہ مریم آیات13تا15)

اسی طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو رحمت اور خلقِ خدا کیلئے ایک نشان قرار دیا گیا ہے۔

(سورۃ مریم آیت22)

کَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا۔ انہی الفاظ کے ساتھ مصلح موعود کی پیشگوئی بھی ختم ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبارک اور منکسر مزاج اور والدہ کا مؤدب فرزند ہونے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(سورۃ مریم آیات 32تا 33)

اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں جب دہریت کی مسموم ہوائیں ایمان کے چمن ویران کر رہی ہیں اور خدا کی ہستی کا انکار ایک فیشن بن چکا ہے اور جو مانتے ہیں اُن میں سے بعض کا ماننا نہ ماننے کے برابر ہے کیونکہ وہ بھی عملاً بعض صفات الٰہیہ کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے عہد رفتہ کے ان نشانوں کو تازہ کر کے اپنے علم، قدرت اور صفتِ کلام کا ثبوت دیا ہے۔

اس احسان کی قدر دانی کا تقاضا ہے کہ ہم اس نشان نمائی پر سجداتِ شکر بجالائیں اور محبت الٰہی میں ترقی کریں۔ یہ پیشگوئی قبولیتِ دُعا کا ایک زندہ نشان ہے۔ جماعت احمدیہ کو قبولیت دُعا کے لحاظ سے معرفت کا اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ ہر احمدی علیٰ وجہ البصیرت مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ دعائیں سنتا ہے بلکہ ان کی قبولیت کی خبر بھی دیتا ہے۔ دوسرے تو اللہ تعالیٰ کو صفتِ کلام سے محروم کر کے اس کے لبِ رحمت پر مُہر لگا چکے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ کا فرض ہے کہ دعاؤں کی عادت کو پُختہ تر کرے تا ہمیشہ قبولیتِ دُعا کے معجزات کا سلسلہ جاری رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''دُعا میں خدا تعالیٰ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار بذریعہ الہامات کے یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوگا دعا ہی کے ذریعے ہوگا۔ ہمارا ہتھیار تو دُعا ہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں۔''

(ملفوظات جلد 9صفحہ 28,27)

حضرت اقدسؑ نے جماعت احمدیہ سے بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ کی ہیں اور عظیم الشان منزلوں کی نشان دہی فرمائی ہے۔ حضورؑ اپنے پیروکاروں کو قرب الٰہی کے میدان کا شاہسوار بنانا چاہتے ہیں۔ ذرا اِس پیغام پر غور فرمائیے گا:

''اسلام کا منشاء یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تُم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ابراہیم بنو۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ولی پرست نہ بنو بلکہ ولی بنو۔ اور پیر پرست نہ بنو بلکہ پیر بنو۔''

(ملفوظات جلد 3صفحہ 189)

''دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر کرنا'' اس پیشگوئی کا ایک اہم مقصد ہے۔ یہ مقصد ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے احسانات کے پیشِ نظر حضورؓ سے اظہارِ محبت ایک طبعی تقاضا ہے خراجِ عقیدت کا بہترین طریق یہی ہے کہ حضورؓ کے چھوڑے ہوئے علمی خزانے سے استفادہ کیا جائے۔ حضورؓ کی یادگار تحریکات کو مضبوط بنانا، خلافت کے دوام اور استحکام کیلئے اپنے عہد کو پورا کرنا اور حضورؓ کی بلندیٔ درجات کیلئے دعا کرنا اظہار عقیدت ہی کی صورتیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کا عہد حاضر اور مستقبل کی تاریخ اسلام میں ایک خاص مقام ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس عظمت میں اضافہ ہوتا جائے گا اور انشاء اللہ

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
مِلّت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

☆......☆......☆......☆......☆

منظوم کلام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

میں نے مانا میرے دلبر تری تصویر نہیں
تیرے دیدار کی کیا کوئی بھی تدبیر نہیں

سب ہی ہو جائیں مُسلماں تری تقدیر نہیں
یا دُعاؤں میں ہی میری کوئی تاثیر نہیں

دل میں بیٹھے کہ سمائے میری آنکھوں میں تُو
میری تعظیم ہے اس میں تری تحقیر نہیں

دلرُبا کیسا ہے جو دل نہ لُبھائے میرا
سینے کے پار نہ ہو جائے تو وُہ تیر نہیں

ہے قیادت سے بھی پُر لطف اطاعت مجھ کو
ہُوں تو مَیں پیر مگر شکر ہے بے پیر نہیں

صاف ہو جائے دلِ کافر و مُنکر جس سے
تیری تقدیر میں ایسی کوئی تدبیر نہیں

اس کی آواز پہ پھر کیوں نہیں کہتے لبّیک
طوق گردن میں نہیں پاؤں میں زنجیر نہیں

مجھ سے وحشی کو کیا ایک اِشارے میں رام
کیا یہ جادُو نہیں کیا رُوح کی تسخیر نہیں

سبق آزادی کا دیتے ہیں دلِ عاشق کو
اُن کی زلفوں میں کوئی زُلفِ گرہ گیر نہیں

کوئی دشمن اُسے کر سکتا نہیں مجھ سے جُدا
ہے تصوّر ترا دل میں کوئی تصویر نہیں

ان کی جادُو بھری باتوں پہ مَرا جاتا ہوں
قتل کرتے ہیں مگر ہاتھ میں شمشیر نہیں

جس کی تھی چیز اُسی کے ہی حوالے کر دی
دے کے دل خوش ہوں مَیں اس بات پہ دلگیر نہیں

جس پہ عاشق ہوُا ہوں مَیں وُہ اسی قابل تھا
خود ہی تم دیکھ لو اس میں میری تقصیر نہیں

رُوحِ انسانی کو جو بخشے جِلا ہے اکسیر
مِس کو چُھو کر جو طِلاء کر دے وہ اکسیر نہیں

(کلامِ محمود)

نظامِ اسلامی کے متعلق قرآنی اصول

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

سرِ دست میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نظامِ اسلامی کے متعلق قرآن کریم نے عام احکام بیان کئے ہیں اور ان میں مندرجہ ذیل اصول بیان ہوئے ہیں:

(1) قومی نظام ایک امانت ہوتا ہے کیونکہ اس کا اثر صرف ایک شخص پر نہیں پڑتا بلکہ ساری قوم پر پڑتا ہے۔ پس اس کے بارہ میں فیصلہ کرتے وقت اپنی اغراض کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ قوم کی ضرورتوں اور فوائد کو دیکھنا چاہئے۔

(2) اس امانت کی ادائیگی کیلئے ایک نظام کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ امانت ادا نہیں ہو سکتی۔ یعنی افراد فرداً فرداً اس امانت کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے بلکہ ضرور ہے کہ اس کی ادائیگی کیلئے کوئی منصرم ہوں۔

(3) ان منصرموں کو قوم منتخب کرے۔

(4) انتخاب میں یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ جنہیں منتخب کیا جائے وہ ان امانتوں کو پورا کرنے کے اہل ہوں۔ اس کے سوا اور کوئی امر انتخاب میں مدنظر نہیں ہونا چاہئے۔

(5) جن کے سپرد یہ کام کیا جائے گا وہ امر قومی کے مالک نہ ہوں گے بلکہ صرف منصرم ہوں گے۔ کیونکہ فرمایا اِلٰٓی اَھْلِھَا یعنی ان کے سپرد اس لئے یہ کام نہ ہوگا کہ وہ باپ دادا سے اس کے وارث اور مالک ہوں گے بلکہ اس لئے کہ وہ اس خدمت کے اہل ہوں گے۔

یہ احکام کسی خاص مذہبی نظام کے متعلق نہیں بلکہ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے عام ہیں خواہ مذہبی نظام ہو اور خواہ دُنیوی ہو اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ملوکیت کو اپنے نظام کا حصہ تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسلام صرف انتخابی نظام کو تسلیم کرتا ہے اور پھر اس نظام کے بارہ میں فرماتا ہے کہ جن کے سپرد یہ کام ہو افراد کو چاہئے کہ ان کی اطاعت کریں۔

کیا اسلام کسی خالص دُنیوی حکومت کو تسلیم کرتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ کیا اسلام کسی خالص دُنیوی حکومت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام سب صحیح سامانوں کی موجودگی میں جبکہ سارے سامان اسلام کی تائید میں ہوں اور جبکہ اسلام آزاد ہو خالص دُنیوی نظام کو تسلیم نہیں کرتا۔ مگر وہ حالات کے اختلاف کو بھی نظرانداز نہیں کرتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت وہ اعلیٰ نظام جو اسلام کے مدنظر ہو نافذ نہ کیا جا سکے اس صورت میں دُنیوی نظاموں کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی وقت اگر مسلمانوں کا معتدبہ حصہ کُفّار حکومتوں کے ماتحت ہو جائے، ان کی حُریّت سَلب ہو جائے، ان کی آزادی جاتی رہے اور ان کی اجتماعی قوت قائم نہ رہے تو جن ملکوں میں اسلام کا زور ہو وہ مذہبی اور دُنیوی نظام اکٹھا قائم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت اس کی اتباع نہیں کر سکتی۔ پس اس مجبوری کی وجہ سے ان ملکوں میں خالص دُنیوی نظام کی اجازت ہوگی جو انہی اصول پر قائم ہوگا جو اسلام نے تجویز کئے ہیں اور جن کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

خالص دُنیوی نظام کا مفہوم

خالص دُنیوی نظام سے یہ مراد نہیں کہ وہ نظام اسلامی احکام کو جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں نافذ نہیں کرے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ مذہبی طور پر اس کے احکام سب عالمِ اسلامی پر واجب نہ ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت سیاسی حالات کی وجہ سے ان کی پابندی نہ کر سکے گی اور نہ اس نظام کے قیام میں مسلمانوں کی اکثریت کا ہاتھ ہوگا۔

پس ایسے وقت میں جائز ہوگا کہ ایک خالص مذہبی نظام الگ قائم کیا جائے بلکہ جائز ہی نہیں ضروری ہوگا کہ ایک خالص مذہبی نظام علیحدہ قائم کرلیا جائے جس کا تعلق اس اسلامی نظام سے ہو جس کا تعلق کسی حکومت سے نہ ہو بلکہ اسلام کی روحانی تنظیم سے ہوتا کہ غیر حکومتیں دخل اندازی نہ کریں اور چونکہ وہ صرف روحانی نظام ہوگا اور حکومت کے کاروبار میں وہ دخل نہ دے گا اس لئے ایسا نظام غیر حکومتوں میں بسنے والے مسلمانوں کو اکٹھا کرسکے گا اور اسلام پراگندگی سے بچ جائے گا۔

اگر مسلمان اس آیت کے مفہوم پر عمل کرتے تو یقیناً جو تنزل مسلمانوں کو آخری زمانہ میں دیکھنا نصیب ہوا اس کا دیکھنا انہیں نصیب نہ ہوتا۔

مسلمانوں کی ایک افسوسناک غلطی

مسلمانوں سے تنزل کے وقت میں یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھا کہ اگر وہ ساری دنیا میں ایک ایسا نظام قائم نہیں کرسکے جو دینی اور دُنیوی امور پر مشتمل ہو تو اُن کیلئے خالص دینی نظام کی بھی کوئی صورت نہیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ دونوں نظام کسی صورت میں بھی الگ نہیں ہوسکتے اور جب ایک نظام ان کے لئے ناممکن ہوگیا تو انہوں نے دوسرے نظام کو بھی ترک کردیا حالانکہ مسلمانوں کا فرض تھا کہ جب ان میں سے خلافت جاتی رہی تھی تو وہ کہتے کہ آؤ جو قومی مسائل ہیں ان کے لئے ہم ایک مرکز بنالیں اور اس کے ماتحت ساری دنیا میں اسلام کو پھیلائیں۔ چنانچہ وہ اس مرکز کے ماتحت دنیا بھر میں تبلیغی مشن قائم کرتے، لوگوں کے اخلاق کی درستی کی کوشش کرتے، لوگوں کو قرآن پڑھاتے، غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرتے اور جو مشترکہ قومی مسائل ہیں ان میں مشترکہ جدوجہد اور کوشش سے کام لیتے مگر انہوں نے سمجھا کہ اب ان کے لئے کسی خالص دینی نظام کے قیام کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ روز بروز تنزل میں گرتے چلے گئے۔ اگر وہ دینی اور دُنیوی امور پر مشتمل نظام کے قیام میں ناکام رہنے کے بعد خالص دینی نظام قائم کرلیتے تو وہ بہت بڑی تباہی سے بچ جاتے اور اس کی وجہ سے آج شاید تمام دنیا میں اسلام اتنا غالب ہوتا کہ عیسائیوں کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔ مگر چونکہ انہیں یہ غلطی لگ گئی کہ اگر وہ ساری دنیا میں ایک ایسا نظام قائم نہیں کرسکے جو دینی اور دُنیوی دونوں امور پر مشتمل ہو تو اب ان کیلئے کسی خالص دینی نظام کے قیام کی کوئی صورت ہی نہیں اس لئے جب ایک نظام ان کے ہاتھ سے جاتا رہا تو دوسرے نظام کو بھی انہوں نے ترک کردیا۔

دوسری غلطی

دوسری غلطی ان سے یہ ہوئی کہ انہوں نے یہ سمجھا انتخاب صرف اس نظام کے لئے ہے جو سب مسلمانوں کے دینی اور دُنیوی امور پر حاوی ہو حالانکہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے واضح طور پر بتلا دیا تھا کہ انتخاب خالص دُنیوی نظام میں بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح دینی و دُنیوی مشترکہ نظام میں۔ اگر اور نہیں تو وہ اتنا ہی کر لیتے کہ جب بھی کسی کو بادشاہ بناتے تو انتخاب کے بعد بناتے۔ تب بھی وہ بہت سی تباہی سے بچ سکتے تھے مگر انہوں نے انتخاب کے طریق کو بھی ترک کردیا حالانکہ اگر وہ اس نکتہ کو سمجھتے تو وہ ملوکیت کا غلبہ جو اسلام میں ہوا اور جس نے اسلامی حکومت کو تباہ کردیا کبھی نہ ہوتا اور مسلمانوں کی کوششیں اسلامی طریقِ حکومت کے قیام کیلئے جاری رہتیں۔ اور مسلمان ڈیما کریسی (DEMOCRACY) کی صحیح ترقی کے پہلے اور سب سے بہتر علمبردار ہوتے۔

اختلاف کی صورت میں ایک خالص مذہبی نظام قائم کرنے کا ثبوت

یہ جو مَیں نے کہا ہے کہ ایسے حالات میں کہ اختلاف پیدا ہو چکا ہے ایک خالص مذہبی نظام قائم کرنے کا اس آیت سے ثبوت ملتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ اس آیت میں سب مسلمان مخاطب ہیں اور انہیں ہر وقت اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کا حکم ہے۔ اس میں کسی زمانہ کی تخصیص نہیں کہ فلاں زمانہ میں اُولِی الْاَمْر کی اطاعت کرو اور فلاں زمانہ میں نہ کرو بلکہ ہر حالت اور ہر زمانہ میں ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کا حکم محض وقتی ہے تو ساتھ ہی اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم بھی محض وقتی ہے کیونکہ خدا نے اس سے پہلے

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

(سورۃ النساء آیت:60)

کا حکم دیا ہے۔لیکن اگر خدا اور رسول کے احکام کی اطاعت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کا حکم بھی ہر حالت اور ہر زمانہ کیلئے ہے اور دراصل اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ کسی نہ کسی نظام کی پابندی ان کے لئے ہر وقت لازمی ہوگی۔پس جس طرح دوسرے احکام میں اگر ایک حصہ پر عمل نہ ہو سکے تو دوسرے حصے معاف نہیں ہو سکتے، جو جہاد نہ کر سکے اس کے لئے نماز معاف نہیں ہوسکتی، جو وضو نہ کر سکے اس کیلئے رکوع اور سجدہ معاف نہیں ہوسکتا، جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اس کے لئے بیٹھ کر یا لیٹ کر یا اشاروں سے نماز پڑھنا معاف نہیں ہوسکتا، اسی طرح اگر سارے عالمِ اسلامی کا ایک سیاسی نظام نہ ہو سکے تو مسلمان اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کے ان حصوں سے آزاد نہیں ہو سکتے جن پر وہ عمل کر سکتے تھے۔جیسے اگر کوئی حج کے لئے جائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کر سکے تو سعی اس کیلئے معاف نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ کسی دوسرے کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس فرض کو ادا کرے۔پس مسلمانوں سے یہ ایک شدید غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ چونکہ ایک نظام ان کے لئے ناممکن ہو گیا ہے اس لئے دوسرا نظام انہیں معاف ہو گیا ہے۔ حالانکہ خالص مذہبی نظام مختلف حکومتوں میں بَٹ جانے کی صورت میں بھی ناممکن نہیں ہو جاتا جیسا کہ آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے۔اگر لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ تم چور کا ہاتھ کیوں نہیں کاٹتے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔لیکن جن امور میں ہمیں آزادی حاصل ہے ان امور میں ہم اپنی جماعت کے اندر اسلامی نظام کے قیام کی کوشش کرنا اپنا پہلا اور اہم فرض سمجھتے ہیں۔پس اگر مسلمان بھی سمجھتے کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت ان پر واجب ہے اور جن حصوں میں اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت ان کے لئے ناممکن تھی ان کو چھوڑ کر دوسرے حصوں کے لئے وہ نظام قائم رکھتے تو وہ اس حکم کو پورا کرنے والے بھی رہتے اور اسلام کبھی اس حالت کو نہ پہنچتا جس کو وہ اب پہنچا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کا شاید یہ منشاء تھا کہ اسلامی حکم کا یہ حصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے ذریعہ سے عمل میں آئے اور یہ فضیلت اس آخَرِیْنَ مِنْھُمْ (الجمعۃ:4) کی جماعت کو حاصل ہو کیونکہ آخر ہمارے لئے بھی کوئی نہ کوئی فضیلت کی بات رہنی چاہئے۔صحابہؓ نے تو یہ فضیلت حاصل کر لی کہ انہوں نے ایک دینی و دُنیوی مشترکہ نظام اسلامی اصول پر قائم کیا مگر جو خالص مذہبی نظام تھا اس کے قیام کی طرف اس نے ہمیں توجہ دلا دی۔گویا اس آیت کے ایک حصے پر صحابہؓ نے عمل کیا اور دوسرے حصے پر ہم نے عمل کر لیا۔پس ہم بھی صحابہؓ میں جا ملے۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں اسلامی نظام کے قیام کے اصول بیان کئے گئے ہیں اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ

(1) اسلامی نظام انتخاب پر ہو۔

(2) یہ کہ مسلمان ہر زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے تابع رہیں۔

مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اپنے تنزل کے زمانہ میں دونوں اصولوں کو بُھلا دیا۔ جہاں ان کا بس تھا انہوں نے انتخاب کو قائم نہ رکھا اور جو امور ان کے اختیار سے نکل گئے تھے ان کو چھوڑ کر جو امور ان کے اختیار میں تھے ان میں بھی انہوں نے اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کا نظام قائم کر کے ان کی اطاعت سے وحدتِ اسلامی کو قائم نہ رکھا اور ان لغو بحثوں میں پڑ گئے کہ انہیں صرف اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کرنی چاہئے۔اور اس طرح جو اصل غرض اس حکم کی تھی وہ نظر انداز ہو گئی حالانکہ جو امر ان کے اختیار میں نہ تھا اس میں ان پر کوئی گرفت نہ تھی اگر وہ اس حصہ کو پورا کرتے جو ان کے اختیار میں تھا۔

اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے متعلق ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ شاید کوئی اعتراض کرے کہ احمدیہ جماعت کی تعلیم تو یہ ہے کہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں غیر مذاہب کے اُولِی الْاَمْرِ بھی شامل ہیں اور اس آیت کے ماتحت غیر مسلم حکام کی اطاعت بھی فرض ہے۔مگر اب جو معنی کئے گئے ہیں اس کے ماتحت غیر مسلم آ ہی نہیں سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے لیکن یہ معنی صرف اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے ٹکڑے سے نکلتے ہیں۔یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ غیر مسلم اُولِی الْاَمْرِ بھی اس میں شامل ہیں تو اس وقت ہم سارے رکوع کو مدنظر نہیں رکھتے بلکہ آیت کے صرف ایک ٹکڑہ سے اپنے دعوے کا استنباط

کرتے ہیں لیکن یہ ٹکڑہ ساری آیتوں سے مل کر جو معنی دیتا ہے انہیں باطل نہیں کیا جاسکتا۔ بیشک دُنیوی امور میں ہر اُولِی الْاَمْر کی اطاعت واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ہر زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت جو مسلمانوں میں سے ان کیلئے منتخب ہوں ان پر واجب ہے۔

اُولِی الْاَمْر سے اختلاف کی صورت میں رُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ کے کیا معنی ہیں؟

اب مَیں اس مضمون کو لیتا ہوں جس کے بیان کرنے کا میں پیچھے وعدہ کر آیا ہوں کہ بعض لوگ اس مقام پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اولوالامر سے اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے

فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ

فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اختلاف کی صورت میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ معنی کئے جائیں تو آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے خیال کو درست سمجھا کرتا ہے۔ پس اگر اس آیت کا یہی مفہوم لیا جائے تو اطاعت کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ آخر وہ کون سا امر ایسا نکلے گا جسے تمام لوگ متفقہ طور پر خدا اور رسول کا حکم سمجھیں گے۔ یقیناً کچھ لوگوں کو اختلاف بھی ہوا کرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں اگر ہر شخص کو یہ اختیار ہو کہ وہ حکم سنتے ہی کہہ دے کہ یہ خدا اور رسول کی تعلیم کے خلاف ہے تو اس صورت میں خلیفہ صرف اپنے آپ پر ہی حکومت کرنے کے لئے رہ جائے، کسی اور پر اس نے کیا حکومت کرنی ہے۔ بِالخصوص موجودہ زمانہ میں تو ایسا ہے کہ آج کل ماننے والے کم ہیں اور مجتہد زیادہ۔ ہر شخص اپنے آپ کو اہل الرائے خیال کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ تو اپنا بوریا بچھا کر الگ شور مچاتا رہے گا کہ یوں کرو اور لوگ یہ شور مچاتے رہیں گے کہ پہلے ان حکموں کو قرآن اور حدیث کے مطابق ثابت کرو، تب مانیں گے ورنہ نہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی دینی امر ایسا نہیں جسے ساری دنیا یکساں طور پر مانتی ہو بلکہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک جاہل شخص تھا جسے مولویوں کی مجلس میں بیٹھنے کا بڑا شوق تھا مگر چونکہ اسے دین سے کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے جہاں جاتا لوگ دھکے دے کر نکال دیتے۔ ایک دفعہ اس نے کسی دوست سے ذکر کیا کہ مجھے علماء کی مجلس میں بیٹھنے کا بڑا شوق ہے مگر لوگ مجھے بیٹھنے نہیں دیتے میں کیا کروں۔ اس نے کہا ایک بڑا ساجُبّہ اور پگڑی پہن لو۔ لوگ تمہاری صورت کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ کوئی بہت بڑا عالم ہے اور تمہیں علماء کی مجلس میں بیٹھنے سے نہیں روکیں گے۔ جب اندر جا کر بیٹھ جاؤ اور تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو کہہ دینا کہ اختلافی مسئلہ ہے بعض نے یوں لکھا ہے اور بعض نے اس کے خلاف لکھا ہے اور چونکہ مسائل میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے تمہاری اس بات سے کسی کا ذہن اِدھر منتقل نہیں ہوگا کہ تم کچھ جانتے نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک بڑا ساجُبّہ پہنا، پورے تھان کی پگڑی سر پر رکھی اور ہاتھ میں عصا لے کر اس نے علماء کی مجالس میں آنا جانا شروع کر دیا۔ جب کسی مجلس میں بیٹھتا تو سر جُھکا کر بیٹھا رہتا۔ لوگ کہتے کہ جناب آپ بھی تو کچھ فرمائیں۔ اس پر وہ گردن ہلا کر کہہ دیتا اس بارہ میں بحث کرنا لغو ہے علماء اسلام کا اس کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے کچھ علماء نے تو اس طرح لکھا ہے جس طرح یہ مولانا فرماتے ہیں اور کچھ علماء نے اُس طرح لکھا ہے جس طرح وہ مولانا فرماتے ہیں۔ لوگ سمجھتے کہ اس شخص کا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ چنانچہ کہتے بات تو ٹھیک ہے جھگڑا چھوڑ و اور کوئی اور بات کرو کچھ مدت تو اسی طرح ہوتا رہا اور علماء کی مجالس میں اس کی بڑی عزت و تکریم رہی۔ مگر ایک دن مجلس میں یہ ذکر چل پڑا کہ زمانہ ایسا خراب آ گیا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ خدا کا انکار کرتا چلا جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر خدا ہے تو کوئی دلیل دو۔ اس پر لوگوں نے حسبِ دستور ان سے بھی کہا کہ سنائیے مولانا آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ کہنے لگا بحث فضول ہے کہ کچھ علماء نے لکھا ہے کہ خدا ہے اور کچھ علماء نے لکھا ہے کہ خدا نہیں۔ یہ سنتے ہی لوگوں میں اس کا بھانڈا پُھوٹ گیا اور انہوں نے دھکے دے کر اسے مجلس سے باہر نکال دیا۔ تو دنیا میں اس کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْ ءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ
(سورۃ النساء آیت:60)

کے یہ معنی کئے جائیں کہ جب بھی خلیفہ کے کسی حکم سے کسی کو اختلاف ہو اس کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ کو دھکا دے کر کہے کہ تیرا حکم خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ہے تو اس کو اتنے دھکے ملیں کہ ایک دن بھی خلافت کرنی اس کے لئے

مشکل ہو جائے۔ پس یہ معنی عقل کے بالکل خلاف ہیں۔ ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگوں کو اس آیت کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ٹھوکر لگی ہے۔ اگر وہ صحیح معنی سمجھ لیتے تو ان کو کبھی ٹھوکر نہ لگتی۔ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ والی آیت دُنیوی حکام اور خلفائے راشدین دونوں پر حاوی ہے

وہ صحیح معنی کیا ہیں؟ ان کو معلوم کرنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ آیت عام ہے اس میں خالص دُنیوی حکام بھی شامل ہیں اور خلفاء راشدین بھی شامل ہیں۔ پس یہ آیت خالص اسلامی خلفاء کے متعلق نہیں بلکہ دُنیوی حکام کے متعلق بھی ہے۔

اب اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ آیت اپنے مطالب کے لحاظ سے عام ہے اور اس میں خالص دُنیوی حکام اور خلفاء راشدین دونوں شامل ہیں یہ سمجھ لو کہ اِن دونوں کے بارہ میں قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے احکام الگ الگ ہیں۔ جو خالص دُنیوی حکام ہیں ان کیلئے شریعتِ اسلامی کے الگ احکام ہیں۔ اور جو خلفاء راشدین ہیں ان کیلئے الگ احکام ہیں۔ پس جب خدا نے یہ کہا کہ

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

(سورة النساء آیت:60)

تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تمہارا اُولِی الْاَمْر سے جھگڑا ہو تو تم یہ دیکھنے لگ جاؤ کہ خدا اور رسول کا حکم تم کیا سمجھتے ہو۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ چونکہ اس عام حکم میں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں اور دُنیوی حکام بھی، اس لئے جب اختلاف ہو تو دیکھو کہ وہ حکام کس قسم کے ہیں۔ اگر تو وہ خلفائے راشدین ہیں تو تم ان کے متعلق وہ عمل اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کے بارہ میں بیان فرمایا ہے اور اگر وہ حکام دُنیوی ہیں تو ان کے بارہ میں تم ان احکام پر عمل کرو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کے متعلق بیان کئے ہیں۔

دونوں کے متعلق الگ الگ احکام

اَب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا اِن دونوں قسم کے اُولِی الْاَمْر کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے الگ الگ قسم کے احکام بیان کئے ہیں یا نہیں۔ اگر کئے ہیں تو وہ کیا ہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں قسم کے اُولِی الْاَمْر کی نسبت دو مختلف احکام بیان کئے ہیں جو یہ ہیں:

(1) عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَهِ وَعَلٰی اَثَرَةٍ عَلَیْنَا وَعَلٰی اَنْ لَّانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ فَاَیْنَمَا کُنَّا لَانَخَافُ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنْ لَّانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَّاحًا عِنْدَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِیْهِ بُرْهَانٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

(مسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة)

یعنی ہم نے رسول کریم ﷺ کی ان شرائط پر بیعت کی کہ جو ہمارے حاکم مقرر ہوں گے ان کے احکام کی ہم ہمیشہ اطاعت کریں گے خواہ ہمیں آسانی ہو یا تنگی اور چاہے ہمارا دل ان احکام کے ماننے کو چاہے یا نہ چاہے بلکہ خواہ ہمارے حق وہ کسی اور کو دلا دیں پھر بھی ہم ان کی اطاعت کریں گے۔ اسی طرح ہماری بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب ہم کسی کو اہل سمجھ کر اس کے سپرد حکومت کا کام کر دیں گے تو اس سے جھگڑا نہیں کریں گے اور نہ اس سے بحث شروع کر دیں گے کہ تم نے یہ حکم کیوں دیا وہ دینا چاہئے تھا۔ ہاں چونکہ ممکن ہے کہ وہ حکام کبھی کوئی بات دین کے خلاف بھی کہہ دیں اس لئے اگر ایسی صورت ہو تو ہمیں ہدایت تھی کہ ہم سچائی سے کام لیتے ہوئے انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیں اور خدا کے دین کے متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں اور ان کے سپرد یہ کام تمہاری طرف سے ہو چکا ہو ان سے تم کسی قسم کا جھگڑا نہ کرو۔ مگر یہ کہ تم ان سے کُھلا کُھلا کفر صادر ہوتے ہوئے دیکھ لو۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ کسی کُھلے کفر کا ارتکاب کریں اور قرآن کریم کی نص صریح تمہاری تائید کر رہی ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم اس خلافِ مذہب بات میں ان کی اطاعت کرنے سے انکار کر دو اور وہی کرو جس کے کرنے کا تمہیں خدا نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکِ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تَبْغَضُوْنَهُمْ وَ يَبْغَضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ۔ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ۔ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوافِيْكُمُ الصَّلٰوةَ اِلَّا مَنْ وُلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَاْتِيْ شَيْئًا مِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَاْتِيْ مِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَتِهٖ۔

(مسلم کتاب اللامارة باب خیار الأئمة و شرارهم)

حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا۔تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔تم ان پر درود بھیجو اور ان کی ترقیات کے لئے دعائیں کرو اور وہ تم پر درود بھیجیں اور تمہاری ترقیات کے لئے دعائیں کریں اور بدترین حُکّام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں،تم ان پر لعنت ڈالو اور وہ تم پر لعنت ڈالیں۔راوی کہتا ہے کہ ہم نے کہا۔ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! جب ایسے حکمران ہمارے سروں پر مسلّط ہو جائیں تو کیوں نہ ہم ان کا مقابلہ کر کے انہیں حکومت سے الگ کر دیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَامَا اَقَامُوا الصَّلٰوةَ فِيْكُمْ لَامَا اَقَامُواالصَّلٰوةَ فِيْكُمْ۔

ہرگز نہیں۔ہرگز نہیں جب تک وہ نماز اور روزہ کے متعلق تم پر کوئی پابندی عائد نہ کریں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ روکیں تم ان کی اطاعت سے ہرگز منہ نہ موڑو۔

اِلَّا مَنْ وُلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَاْتِيْ شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَاْتِيْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَتِهٖ۔

سنو! جب تم پر کسی کو حاکم بنایا جائے اور تم دیکھو کہ وہ بعض امور میں اللہ تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب کر رہا ہے تو تم اپنے دل میں اس کے ان افعال سے سخت نفرت رکھو مگر بغاوت نہ کرو۔

دوسری حدیث میں اس سے یہ زائد حکم ملتا ہے کہ اگر کُفرِ بَوّاح اس سے ظاہر ہو تو اس حالت میں اس کے خلاف بغاوت بھی کی جا سکتی ہے۔

خلفائے راشدین کی سنّت پر ہمیشہ قائم رہنے کا حکم

اس کے مقابلہ میں احادیث میں عرباض بن ساریہؓ سے ہمیں ایک اور روایت بھی ملتی ہے۔وہ کہتے ہیں:

صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَا ذَا تَعْهَدُ اِلَيْنَا۔ فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْداً حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ فَتَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد4 صفحه 127۔ المکتب الاسلامی بیروت)

عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں ایک دن رسول کریم ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور جب نماز سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے ہمیں ایک وعظ کیا۔وہ وعظ ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اس سے ہمارے آنسو بہنے لگ گئے اور دل کانپنے لگے۔ اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! معلوم ہوتا ہے یہ الوداعی وعظ ہے۔آپؐ ہمیں کوئی وصیت کر دیں۔آپؐ نے فرمایا۔

اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْداً حَبْشِيًّا۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اطاعت اور فرماں برداری کو اپنا شیوہ بناؤ خواہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حکمران کیوں نہ ہو۔

جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ لوگوں میں بہت بڑا اختلاف دیکھیں گے پس ایسے وقت میں میری وصیت تمہیں یہی ہے کہ

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

تم میری سنت اور میرے بعد میں آنے والے خلفاء الراشدین کی سنت کو اختیار کرنا۔

تَمَسَّكُوْا بِهَا تم اس سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ اور

جس طرح کسی چیز کو دانتوں سے پکڑ لیا جاتا ہے اسی طرح اس سنت سے چمٹے رہنا اور کبھی اس راستے کو نہ چھوڑنا جو میرا ہے یا میرے خلفائے راشدین کا ہوگا۔ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ اور تم نئی نئی باتوں سے بچتے رہنا فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کیونکہ ہر وہ نئی بات جو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کے خلاف ہوگی وہ بدعت ہوگی اور بدعت ضلالت ہوا کرتی ہے۔

ان دونوں قسم کے حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اُولِی الْاَمْرِ دو قسم کے تسلیم کئے ہیں۔ ایک دُنیوی اور ایک دینی اور اسلامی۔ دُنیوی امراء کے متعلق اطاعت کا حکم ہے مگر ساتھ ہی کُفر بواح کا جواز بھی رکھا ہے اور اس صورت میں بشرطیکہ برہان ہو قیاس نہ ہو ان کُفر یہ امور میں ان کی اطاعت سے باہر جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔ گو بعض اسلامی علماء نے جیسے حضرت محی الدین ابن عربی ہیں اس بارہ میں بھی اتنی احتیاط کی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایسی صورت میں بھی صرف علیحدگی کا اعلان کرنا جائز ہے بغاوت کرنا پھر بھی جائز نہیں۔ مگر ایک دینی اور اسلامی اُولِی الْاَمْرِ بتائے ہیں جن کے بارہ میں ہمیں حَکَم نہیں بنایا بلکہ انہیں اُمت پر حَکَم بنایا ہے اور فرمایا ہے جو کچھ وہ کریں وہ تم پر حجت ہے اور ان کے طریق کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح میرے حکم کی۔ پس حاکم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دُنیوی ہیں اور جن کے متعلق اس بات کا امکان ہے کہ وہ کُفر کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ ان کے متعلق تو یہ حکم دیا کہ تم ان کی اطاعت کرتے چلے جاؤ، ہاں جب ان سے کُفر بواح صادر ہو تو الگ ہو جاؤ۔ مگر دوسرے حکام وہ ہیں جو غلطی کر ہی نہیں سکتے ان کے متعلق یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہمیشہ ان کی سنّت اور طریق کو اختیار کرنا چاہئے اور کبھی ان کے راستہ سے علیحدہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ اگر کبھی تمہیں یہ شبہ پڑ جائے کہ تمہارے عقائد درست ہیں یا نہیں تو تم اپنے عقائد کو خلفائے راشدین کے عقائد کے ساتھ ملاؤ۔ اگر مل جائیں تو سمجھ لو کہ تمہارا قدم صحیح راستہ پر ہے اور اگر نہ ملے تو سمجھ لو کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔

خلفائے راشدین اُمت کے لئے ایک میزان ہیں

گویا خلفائے راشدین ایک میزان ہیں جن سے دوسرے لوگ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا قدم صحیح راستہ پر ہے یا اس سے منحرف ہو چکا ہے۔ جیسے دو سیر کا بٹہ ایک طرف ہو اور مولیاں گاجریں دوسری طرف تو ہر شخص ان مولیوں گاجروں کو ہی دو سیر کے بٹہ کے مطابق وزن کرے گا، یہ نہیں ہوگا کہ اگر پانچ سات مولیاں کم ہوں تو بٹے کو اُٹھا کر پھینک دے اور کہہ دے کہ وہ صحیح نہیں۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم خلفائے راشدین کے اعمال کا جائزہ لو اور دیکھو کہ وہ تمہاری عقل کے اندر آتے ہیں یا نہیں اور وہ تمہاری سمجھ کے مطابق خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہیں یا نہیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر تمہیں اپنے متعلق کبھی یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ تمہارے اعمال خدا اور اس کے رسول کی رضا کے مطابق ہیں یا نہیں تو تم دیکھو کہ ان اعمال کے بارہ میں خلفائے راشدین نے کیا کہا ہے۔ اگر وہ خلفائے راشدین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہوں گے تو درست ہوں گے اور اگر وہ ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نہ ہوں گے تو غلط ہوں گے۔

پس خدا اور رسول کا وہ حکم جس کی طرف بات کو لوٹانے کا ارشاد ہے یہی احکام ہیں جن کو میں نے بیان کیا ہے۔ یعنی تم یہ دیکھو کہ جن حکام سے تمہیں اختلاف ہے وہ کس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آیا وہ دُنیوی حُکّام میں سے ہیں یا خلفائے راشدین میں سے۔ اگر وہ دُنیوی حُکّام ہیں تو حتی الوسع ان کی اطاعت کرو۔ ہاں اگر وہ کسی نص صریح کے خلاف عمل کرنے کا حکم دیں تو تمہارا حق ہے کہ ان کی غلطی پر انہیں متنبہ کرو، انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرو اور انہیں بتاؤ کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو اور اگر نہ مانیں اور کفر بواح کا ارتکاب کریں مثلاً نماز پڑھنے سے روک دیں یا روزے نہ رکھنے دیں تو تمہیں اس بات کا اختیار ہے کہ ان کے اس قسم کے احکام ماننے سے انکار کر دو اور کہو کہ ہم نمازیں پڑھیں گے، ہم روزے رکھیں گے، تم جو جی میں آئے کر لو لیکن اگر وہ اُولِی الْاَمْرِ خلفائے راشدین ہوں تو پھر سمجھ لو کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے۔ وہ جو کچھ کریں گے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہوگا اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی راہ پر چلائے گا جو اس کے نزدیک درست ہوگا۔ پس ان پر حَکَم بننے کی بجائے اُن کو اپنے اوپر حَکَم بناؤ اور ان سے اختلاف کر کے اللہ تعالیٰ سے اختلاف کرنے والے مت بنو۔

(ماخوذ از "خلافتِ راشدہ")

......☆......☆......☆......☆......☆......

جماعتِ احمدیہ کے مشہور عالم مذہبی و رُوحانی پیشوا

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعودؓ

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

مولانا دوست محمد شاہد ۔ مؤرخ احمدیت

مرزا بشیر الدین محمود احمد بانی سلسلہ احمدیہ کے فرزندِ ارجمند اور جماعت کے دوسرے خلیفہ تھے۔آپ کی پیدائش 12 جنوری 1889 کو ہوئی۔ احمدی لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے آپ کی پیدائش سے پہلے ہی لوگوں کو بتلا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک ایسا لڑکا عطا فرمائے گا

''جس کا نام محمود ہوگا وہ اولوالعزم ہوگا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا''۔

آپ 14 مارچ 1914 کو جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ کے زمانہء خلافت میں جو اِکاون سال تک ممتد رہا دنیا کے ہر ایک حصہ میں تبلیغی مراکز قائم کئے گئے۔ چنانچہ انگلستان، امریکہ، جرمنی، ہالینڈ، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، بلادِ عربیہ اور انڈونیشیا وغیرہ ممالک میں نوے سے زائد تبلیغی مراکز قائم ہو چکے ہیں جہاں تبلیغِ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے زمانہ میں متعدد غیر ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع ہوئے اور بیرونی ممالک میں سینکڑوں مساجد تعمیر ہوئیں۔آپ نے اپنے پیچھے ہزار ہا صفحات کا ایک عظیم الشان لٹریچر یادگار چھوڑا ہے جو قریباً پونے دوسو کتب و رسائل پر مشتمل ہے اور جو تفسیر، کلام، فقہ، اخلاق و روحانیت، سیاست وغیرہ اہم مضامین پر مشتمل ہے اور نہایت قیمتی معلومات سے لبریز ہے۔

آپ نے تبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام کے ساتھ ساتھ دوسرے اہم امور میں بھی مسلمانوں کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں اور ہر موقعہ پر مسلمانوں کی دینی اور دنیوی بہبود میں رہنمائی کی تدابیر اختیار کی ہیں۔

1923-24 میں جب یوپی کے علاقہ میں فتنہ ارتداد کا زور ہوا اور آریہ سماج نے وہاں پر لاکھوں مسلمانوں کو شدھ کر کے ہندو بنا لیا تو آپ ہی نے اس تحریک کا مقابلہ کر کے آریوں کو شکست دی۔آپ نے اپنی جماعت کے سینکڑوں افراد کو اس علاقہ میں بھجوایا جنہوں نے ہر طرح کی تکلیف برداشت کر کے آریہ سماج کی تحریک کو ناکام کیا۔اور وہ مسلمان جو ہندو ہو چکے تھے انہیں دوبارہ اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔آپ کی اس انمول اسلامی خدمت کا اعتراف دوسرے مسلمانوں نے بھی کیا۔

مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست اور مضبوط کرنے کیلئے بھی آپ نے نہ صرف نیک تحریکیں کیں بلکہ عملی طور پر تدابیر اختیار کرنے میں ان کی مدد کی۔مسلمانوں کو آپ نے توجہ دلائی کہ چونکہ ان کی اقتصادی حالت کمزور ہے اس لئے دوسری قومیں ان کی عزت نہیں کرتیں۔انہیں چاہیئے کہ وہ تجارت کی طرف زیادہ توجہ کریں اور ہر شہر اور ہر قصبہ میں دکانیں کھولیں اور جس طرح ہندو لوگ صرف اپنے لوگوں سے سودا خریدتے ہیں مسلمانوں کو بھی یہ طریق اختیار کرنا چاہیئے کہ ان کی تجارت کامیاب ہو اور ان کی مالی حالت مضبوط ہو۔ہندوستان کے طول وعرض میں مبلغین بھیج کر جگہ جگہ مسلمانوں کی قومی

غیرت وحمیت کے جذبات کو ابھارا اُوران میں زندگی کی رَوچلائی۔ اس تحریک سے مسلمانوں نے اپنی دوکانیں کھولیں اور ہندو سرمایہ داروں اور بیوپاریوں کا مقابلہ کیا۔

امام جماعت احمدیہ کا ایک زرّیں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے سیرت النبی ﷺ کے جلسوں کی بنیاد ڈالی۔ 1927 کے قریب بعض ہندوؤں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق دلآزار کتابیں لکھیں جس میں اس مجسم پاک زندگی پر ناپاک حملے کئے گئے۔ آپ نے اس کے تدارک کیلئے سیرۃ النبیؐ کے جلسوں کو قائم کیا تا کہ اس ذریعہ سے تمام لوگوں کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کتنی پاکیزہ اور اعلیٰ تھی اور آپ انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ جماعت کے سرخیل تھے۔

1924 میں آپ انگلستان تشریف لے گئے تا کہ ان ممالک میں تبلیغی جدوجہد کا بنفس نفیس مشاہدہ کریں۔ انہی ایام میں آپ نے انگلستان میں ایک شاندار مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جو اس وقت مبلغین اسلام کا مرکز ہے اور اس میں دن رات اعلاء کلمۃ اللہ کا مقدس کام ہو رہا ہے۔

1931 میں کشمیر کے متعلق تحریک ہوئی کہ وہاں کے مسلمان جو تعداد کے لحاظ سے بڑی بھاری اکثریت رکھتے ہیں لیکن حکومت میں ان کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے، ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے اور ریاست کے مظالم سے انہیں نجات دلائی جائے۔ اس کام کیلئے شملہ میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر شامل ہوئے اور ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کر کے حضرت امام جماعت احمدیہ کو متفقہ طور پر اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے اہل کشمیر کیلئے اس تندہی اور خوش اسلوبی سے کام کیا کہ خدا کے فضل سے کشمیری مسلمانوں کے اکثر مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی براہ راست کوششوں کے ماتحت 1934 میں وہاں اسمبلی قائم ہوئی۔ 1948 میں آپ کی کوشش سے احمدیوں کی ایک رضا کار بٹالین قائم ہوئی جس نے دو برس تک محاذ کشمیر میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ اس وقت بھی جماعت احمدیہ اہل کشمیر کی بہبودی کیلئے برابر کام کر رہی ہے۔

1947 میں جب ملکی تقسیم کا سوال پیدا ہو کر باؤنڈری کمیشن کا تقرر ہوا تو آپ نے مسلمانوں کی بہبودی کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ اس اہم کام کیلئے قادیان سے لاہور آ کر کئی دن رہے اور بڑی تگ ودَو کر کے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کرنے کیلئے ایسا مواد فراہم کیا جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید تھا۔ اور اس موقع پر انگلستان سے اپنے خرچ پر ایک ماہر فن مسٹر سپیٹ کو بلوایا کہ حد بندی کے کام میں وہ مسلمانوں کے نمائندہ چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی امداد کرے۔ اس سے قبل مسلم لیگ اور اس کے مخالف پارٹیوں کے درمیان جو کشمکش تھی اسے دُور کرنے کیلئے بھی امام جماعت احمدیہ نے انتھک کوشش فرمائی اور دہلی میں جا کر تمام مسلمان لیڈروں سے مل ملا کر اس کام کو انجام دیا۔

1947 میں قیامت خیز انقلاب میں جماعت احمدیہ کو بھی اپنے مرکز قادیان سے نکلنا پڑا لیکن آپ کے تدبر اور اولوالعزمی نے نہ صرف قادیان کے مرکز کو سنبھالا بلکہ باوجود سخت مشکلات کے جماعت کیلئے ایک نئے مرکز کی طرح ڈالی۔ آپ نے ضلع جھنگ میں ربوہ نام کی ایک بستی آباد کی ہے جس میں جماعت کے تمام دفاتر قائم ہو چکے ہیں اور اس کی آبادی بڑی سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ مملکت پاکستان میں آپ نے یہ ایک مثال قائم کی ہے کہ بلند ہمت انسان حکومت پر بوجھ نہیں ہوتے۔ وہ دوسروں کے سہارے کی بجائے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر سر بلند ہوتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کی ترقی اور وسعت کے پیش نظر آپ نے جماعتی نظام کی سہولت کیلئے مختلف صیغہ جات قائم کئے ہیں۔ ہر محکمہ کو نظارت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

1955 میں آپ دوسری مرتبہ بغرض علاج یورپ تشریف لے گئے جہاں آپ کی صدارت میں مغربی دنیا میں تبلیغ اسلام کی مہم تیز تر کرنے کیلئے ایک اہم کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس سفر میں متعدد انگریز آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے داخل اسلام ہوئے۔

1957 میں آپ نے شدید بیماری کے باوجود قرآن مجید کی ایک مختصر مگر جامع اور معرکتہ الآراء تفسیر نہایت قلیل عرصہ میں لکھی جو تفسیر صغیر کے نام سے شائع ہوئی۔۔۔ بہرحال اس محنت شاقہ کے بعد آپ کی صحت پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ آپ اس کے بعد بستر علالت سے اٹھ نہ سکے۔ اور بالآخر 8/7 نومبر 1965 کی شب کو انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی بے مثال شخصیت عالمگیر شہرت کی حامل تھی۔ چنانچہ آپ کی وفات پر نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونی ممالک کے پریس نے بھی گہرے رنج وغم کا اظہار کیا جو آپ کی بلند پایہ عظمت کا واضح ثبوت ہے۔ بالآخر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض مشہور زعمائے ملت وعمائد قوم کی چند آراء وتاثرات ہدیہء قارئین کر دی جائیں:

☆...... برصغیر ہندو پاکستان کے مشہور مسلم لیڈر اور شاعر۔۔۔ ظفر علی خان

صاحب ایڈیٹر ''زمیندار'' لکھتے ہیں:

'' کان کھول کر سن لو، تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن ہے اور قرآن کا علم ہے۔ تمہارے پاس کیا دھرا ہے۔۔۔ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا۔۔۔ مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے اشارے پر اس کے پاؤں پر نچھاور کرنے کو تیار ہے۔۔۔ مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں، مختلف علوم کے ماہر ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں اس نے اپنا جھنڈا گاڑ رکھا ہے۔''

(ایک خوفناک سازش، صفحہ 196 مصنفہ مظہر علی اظہر)

☆......مصور فطرت شمس العلماء خواجہ حسن نظامی نے آپ کی قلمی تصویر ان الفاظ میں کھینچی:

'' اکثر بیمار رہتے ہیں مگر بیماریاں ان کی علمی مستعدی میں رخنہ نہیں ڈال سکتیں۔ انہوں نے مخالفت کی آندھیوں میں اطمینان کے ساتھ کام کر کے اپنی مغلئی جوانمردی کو ثابت کر دیا۔ اور یہ بھی کہ مغل ذات کارفرمائی کا خاص سلیقہ رکھتی ہے۔ سیاسی سمجھ بھی رکھتے ہیں اور مذہبی عقل و فہم میں بھی قوی ہیں اور جنگی ہنر بھی جانتے ہیں۔ یعنی دماغی اور قلمی جنگ کے ماہر ہیں۔''

(اخبار 'عادل' دھلی 24 اپریل 1933)

☆......1919 میں لاہور میں مؤرخ اسلام پروفیسر سید عبدالقادر صاحب ایم۔ اے کی صدارت میں مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور کا جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں خلیفہ صاحب نے ''اسلام میں اختلافات کا آغاز'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اس جلسہ میں پروفیسر صاحب نے آپ کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:

'' حضرات! عام طور پر قاعدہ ہوتا ہے کہ جب کوئی صاحب لیکچر کے لئے تشریف لاویں تو صدر انجمن حاضرین سے ان کا تعارف کرواتا ہے لیکن آج کے لیکچرار اس عزت، اس شہرت اور اس پایہ کے انسان ہیں کہ شاید ہی کوئی صاحب ناواقف ہوں۔ آپ اس عظیم الشان اور برگزیدہ انسان کے خلف ہیں جنہوں نے تمام مذہبی دنیا اور بالخصوص عیسائی عالم میں تہلکہ مچا دیا تھا۔''

(تأثرات قادیان صفحہ 61)

پروفیسر صاحب مذکور نے تقریر کے اختتام پر فرمایا:

'' مَیں نے بھی کچھ تاریخی اوراق کی ورق گردانی کی ہے اور آج شام کو جب میں اس ہال میں آیا تو مجھے خیال تھا کہ اسلامی تاریخ کا بہت سا حصہ مجھے بھی معلوم ہے اور اس پر مَیں اچھی طرح رائے زنی کر سکتا ہوں لیکن اب جناب مرزا صاحب کی تقریر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مَیں ابھی طفل مکتب ہوں اور میری علمیت کی روشنی اور جناب مرزا صاحب کی علمیت کی روشنی میں وہی نسبت ہے جو اس لیمپ (جو میز تھا) کی روشنی کو اس بجلی کے لیمپ کی روشنی سے (جو اوپر آویزاں تھا) ہے۔

حضرات! جس فصاحت اور علمیت سے جناب مرزا صاحب نے اسلامی تاریخ کے ایک نہایت مشکل باب پر روشنی ڈالی ہے وہ انہی کا حصہ ہے اور یہاں بہت کم لوگ ہوں گے جو ایسے ادق باب کو بیان کر سکیں۔ میرے خیال میں تو لاہور میں بھی ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔۔۔ مَیں خواہش کرتا ہوں کہ ایسے ایسے قابل انسان ہماری سوسائٹی میں ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر ایسی زبردست علمیت اور شخصیت کا انسان ہماری سوسائٹی کا ممبر بن جائے تو سوسائٹی کو چار چاند لگ جائیں گے۔''

☆......اس سلسلہ میں میاں سلطان احمد صاحب وجودی کے تأثرات بھی کچھ کم دلچسپی کے حامل نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

'' مرزا بشیر الدین محمود احمد میں کام کرنے کی قوت حد سے زیادہ ہے۔ وہ ایک غیر معمولی شخصیت کے انسان ہیں۔ وہ کئی گھنٹوں تک رکاوٹ کے بغیر تقریر کرتے ہیں۔ ان کی تقریر میں روانی اور معلومات زیادہ پائی جاتی ہیں۔ وہ بڑی بڑی ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کو مل کر ان کے اخلاق کا گہرا اثر ملنے والوں پر ہوتا ہے۔ تنظیم کا ملکہ ان میں موجود ہے۔ وہ پچاس سال کی عمر میں کام کرنے کے لحاظ سے نوجوان معلوم ہوتے ہیں اور اُردو زبان کے ایک بڑے سرپرست ہیں۔''

☆......مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں لکھا:

'' ناشکری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام

مسلمانوں کی بہبودی کیلئے وقف کردی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم، تبلیغ و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظّم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کیلئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمتِ اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔ جن اصحاب کو جماعت احمدیہ قادیان کے اس جلسہء عام میں، جس میں مرزا صاحب موصوف نے اپنے عزائم اور طریق کار پر اظہارِ خیالات فرمایا، شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

☆......مدیرِ سیاست فدائے ملت جناب سیّد حبیب صاحب نے اپنی اشاعت 16 دسمبر 1930 میں لکھا:

''مذہبی اختلافات کی بات چھوڑ کر دیکھیں تو جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے میدانِ تصنیف میں جو کام کیا ہے وہ بلحاظ ضخامت و استفادہ ہر تعریف کا مستحق ہے اور سیاسیات میں اپنی جماعت کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو چلانے میں آپ نے جس عمل کی ابتداء کر کے اس کو اپنی قیادت میں کامیاب بنایا ہے وہ بھی ہر منصف مزاج اور حق شناس انسان سے خراج تحسین وصول کر کے رہتا ہے۔

آپ کی سیاست کا ایک زمانہ قائل ہے۔ نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمانوں کو مجتمع کرنے میں، سائمن کمیشن کے رُوبرو مسلمانوں کا نقطہء نگاہ پیش کرنے میں، مسائل حاضرہ پر اسلامی نقطہ سے مدلّل بحث کرنے اور مسلمانوں کے حقوق کے متعلق استدلال سے مملو کتابیں شائع کرنے کی صورت میں آپ نے بہت ہی قابلِ تعریف کام کیا ہے۔''

☆......اسی طرح ایڈیٹر اخبار ''مشرق'' گورکھپور مولانا حکیم سید ابراہیم برہم نے لکھا ہے:

''جناب امام صاحب جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے ورتمان پر مقدمہ چلایا گیا۔ آپ ہی کی جماعت نے 'رنگیلا رسول' کے معاملہ کو آگے بڑھایا۔ سرفروشی کی اور جیل خانہ سے خوف نہ کھایا۔ آپ ہی کے پمفلٹ نے جناب گورنر صاحب بہادر کو عدل و انصاف کی طرف مائل کیا۔۔۔اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جماعت سے مرعوب نہیں اور خاص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے۔''

(تاثرات قادیان بحوالہ مشرق 22ستمبر1927)

☆......مشہور صحافی وقار انبالوی اپنے روزنامہ 'سفینہ' کی ایک اشاعت میں لکھتے ہیں:

''گزشتہ اتوار کو امیر جماعت احمدیہ نے لاہور کے اخبار نویسوں کو اپنی نئی بستی ربوہ کا مقام دیکھنے کی دعوت دی اور انہیں ساتھ لے کر وہاں کا دورہ کیا۔ اس دورے کی تفصیلات اخباروں میں آچکی ہیں۔ ایک مہاجر کی حیثیت سے ربوہ ہمارے لئے ایک سبق ہے۔ ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں سے بھی اجڑے اور یہاں پر بھی کسمپرسی نے انہیں منتشر کر رکھا ہے۔ یہ لوگ مسلمان تھے، رب العالمین کے پرستار اور رحمۃ اللعالمین کے نام لیوا، مساوات واخوت کے علمبردار، لیکن اتنی بڑی مصیبت بھی انہیں یکجا نہ کر سکی۔ اس کے برعکس ہم اعتقادی حیثیت سے احمدیوں پر ہمیشہ طعنہ زن رہے ہیں لیکن ان کی تنظیم، ان کی اخوت اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کردی ہے۔ مہاجر بن کر وہ لوگ بھی آئے جن میں خدا کے فضل سے ایک ایک آدمی ایسی بستیاں بسا سکتا تھا لیکن ان کا روپیہ ان کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آسکا۔ ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی ہمارے لئے محلِ نظر ہے وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونے پر بسا سکتی ہے۔ اس طرح ربوہ عوام اور حکومت کے لئے ایک مثالی شہر ہے اور زبان سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعویٰ کیے بغیر کچھ کر دکھاتے ہیں۔''

(سفینہ لاہور 13نومبر 1948)

دے ہم کو یہ توفیق کہ ہم جان لڑا کر
اسلام کے سر پر سے کریں دُور بلائیں
پھر ناف میں دنیا کی ترا گاڑدیں نیزہ
پھر پرچمِ اسلام کو عالم میں اُڑائیں

(کلامِ محمود)

(بشکریہ الفضل انٹر نیشنل 14-20فروری 2003)

......☆......☆......☆......☆......☆......

تبصرہ کتب

سوانح فضل عمر

حصہ اوّل تا پنجم

حبیب الرحمٰن زیروی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی سوانح کا خاکہ آپ کی ولادت سے تین سال قبل اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے اپنے ان الفاظ میں بیان فرما دیا تھا:

''اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے)۔ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ۔ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نُور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔

(اشتہار 20 فروری 1886)

فضل عمر فاؤنڈیشن کے اوّلین مقاصد میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فضل عمر کی سوانح کی تالیف و اشاعت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس عظیم الشان سوانح کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تالیف و تدوین کا کام مسند خلافت پر متمکن ہونے سے قبل فرزندِ فضل عمر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سرانجام دے رہے تھے اور خدا کے فضل سے آپ کو سوانح فضل عمر کی پہلی دو جلدیں تالیف کرنے کی توفیق ملی۔ (یوں پسر موعود کی سوانح جلیل القدر نافلہ نے تحریر فرمائی۔) منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکرم مولانا عبدالباسط شاہد صاحب مربی سلسلہ کا تقرر بطور مؤلف سوانح فضل عمر منظور فرمایا۔ انہیں سوانح فضل عمر کی جلد سوم، چہارم اور پنجم تالیف کرنے کی سعادت ملی ہے۔ جلد اوّل تا چہارم حضرت مصلح موعودؓ کی سوانح پر مشتمل ہے جبکہ جلد پنجم آپ کی سیرت پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل دسمبر 1975 میں شائع ہوئی۔

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

''حضرت فضل عمر مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی سوانح کی تصنیف و ترتیب کا کام فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ کے فیصلہ کے مطابق قبل ازیں استاذی المکرّم ملک سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ کے سپرد تھا۔ آپ نے بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ کئی سال تک اس بارہ میں متفرق مواد کو یکجا کیا اور ابتدائی چند ابواب کی تصنیف بھی مکمل کر لی لیکن بعد ازاں بعض مصالح کے پیش نظر یہ ذمہ داری خاکسار راقم الحروف کے کندھوں پر ڈال دی گئی۔

خاکسار کے لئے از سرنو اس کام کا آغاز کرنا ایک مشکل امر تھا اور جو طویل مواد مکرم و محترم ملک صاحب نے بڑی محنت سے یکجا کیا تھا اس کے بغور مطالعہ کے

لئے ہی بہت وقت درکار تھا۔ افسوس کہ اپنی دیگر مصروفیات اور مشاغل کے باعث میں اس اہم کام کے لئے خاطر خواہ وقت نہ دے سکا۔ نتیجۃً توقع سے زیادہ تاخیر ہوتی چلی گئی اور اب کئی سال انتظار کے بعد حضرت فضل عمر کی طویل سوانح حیات کی پہلی جلد ہدیۂ قارئین کرنے کے قابل ہو سکا ہوں۔

حضرت فضل عمر مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کی سوانح حیات کئی پہلوؤں سے ایک عام دُنیاوی رہنما یا جرنیل یا اہلِ قلم کی سوانح سے مختلف اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور گو اِس وقت ہمارا یہ دعویٰ بعض قارئین کو عجیب معلوم ہو لیکن ہر آنے والا سال ہمارے اس دعویٰ کی صداقت پر نئی شہادتیں ثبت کرتا رہے گا کہ آپ اُن ممتاز ابنائے آدم میں سے تھے جو صدیوں ہی میں نہیں بلکہ ہزاروں سال میں کبھی ایک بار اُفق انسانیت پر طلوع ہوتے ہیں اور جن کی روشنی صرف ایک نسل کو نہیں بلکہ بیسیوں انسانی نسلوں کو اپنی ضیاء پاشی سے منور کرتی رہتی ہے۔ آپ بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے دوسرے خلیفہ کی حیثیت سے اس وقت مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے جب آپ کی عمر صرف 25 برس تھی۔ مسلسل 52 سال تک آپ نے خلافتِ احمدیہ کی عظیم ذمہ داریوں کو سرانجام دیا اور 77 سال کی عمر میں وفات پائی۔''

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے جلد اوّل کے پیش لفظ میں پیشگوئی مصلح موعود کے الفاظ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

آپ کی سوانح اس عظیم الشان پیشگوئی کے اجمال کی تفصیل ہیں:

''حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سلمہ ربہ نے بہت محنت اور عرق ریزی سے انہیں ترتیب دیا ہے۔ پہلی جلد بہت انتظار کے بعد اب قارئین کے ملاحظہ کے لئے تیار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے محبین اور مشتاقین کے جذبہ شوق کے لئے پہلی جلد اور آئندہ جلدیں باعث تسکین اور اطمینان ہوں گی۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے ناظرہ قرآن کریم ختم کرنے پر محمود کی آمین تحریر فرمائی اس آمین کے چند اشعار پیش ہیں۔

حمد و ثنا اُسی کو جو ذات جاودانی
ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُس کے سب ہیں فانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی

تُو نے یہ دن دکھایا محمود پڑھ کے آیا
دل دیکھ کر یہ احساں تیری ثنائیں گایا

صد شکر ہے خدایا صد شکر ہے خدایا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی

لخت جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا
دے اس کو عمر و دولت کر دور ہر اندھیرا

دن ہوں مُرادوں والے پُرنور ہو سویرا
یہ روز کر مبارک سبحان من یّرانی

سوانح فضل عمر جلد اول سے چند اقتباسات

حضرت مصلح موعود اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں علمی طور پر بتلاتا ہوں کہ میں نے حضرت صاحب کو والد ہونے کی وجہ سے نہیں مانا تھا بلکہ جب میں گیارہ سال کے قریب کا تھا تو میں نے مُصمّم ارادہ کیا تھا کہ اگر میری تحقیقات میں وہ نعوذ باللہ جھوٹے نکلے تو میں گھر سے نکل جاؤں گا۔ مگر میں نے ان کی صداقت کو سمجھا اور میرا ایمان بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب آپ فوت ہوئے تو میرا یقین اور بھی بڑھ گیا''

(الفضل 6 جون 1924ء صفحہ 8)

اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی آپ کے ذہنی انقلاب کی نشاندہی کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

''1900 میرے قلب کو اسلامی احکام کی طرف توجہ دلانے کا موجب ہوا اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے کوئی شخص چھینٹ کی قسم کے کپڑے کا ایک جُبّہ لایا تھا۔ میں نے آپ سے وہ جُبّہ لے لیا تھا کسی اور خیال سے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا رنگ اور اس کے نقش مجھے پسند تھے میں اسے پہن نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے دامن میرے پاؤں سے نیچے لٹکتے رہتے تھے۔

جب میں گیارہ سال کا ہوا اور 1900 نے دُنیا میں قدم رکھا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں، اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے؟ میں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا۔ آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے۔ وہ گھڑی میرے لئے کیسی خوشی کی گھڑی تھی جس طرح ایک بچے کو اس کی ماں مل جائے تو اسے خوشی ہوتی ہے اسی طرح مجھے خوشی تھی کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے مل گیا۔ سماعی ایمان علمی ایمان سے تبدیل ہو گیا۔ میں اپنے جامہ میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ میں نے اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا کہ خدایا! مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو۔ اس وقت میں گیارہ سال کا تھا...... مگر آج بھی اس دُعا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں آج بھی یہی کہتا ہوں خدایا تیری ذات کے متعلق مجھے کبھی شک پیدا نہ ہو۔ ہاں اُس وقت میں بچہ تھا۔ اب مجھے زائد تجربہ ہے۔ اب میں اس قدر زیادتی کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو۔

جب میرے دل میں خیالات کی وہ موجیں پیدا ہونی شروع ہوئیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے تو ایک دن ضحیٰ کے وقت یا اِشراق کے وقت میں نے وضو کیا اور وہ جُبّہ اس وجہ سے نہیں کہ خوبصورت ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے اور متبرک ہے یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا، پہن لیا تب میں نے اس کوٹھڑی کے جس میں مَیں رہتا تھا دروازہ بند کر لیا اور ایک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کی اور میں اس میں خوب رویا، خوب رویا، خوب رویا اور اقرار کیا کہ اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا! اس اقرار کے بعد میں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی۔''

(الحکم جوبلی نمبر دسمبر 1939)

حضرت المصلح الموعودؓ نے فرمایا:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت میں اُنیس سال کا تھا مگر میں نے اُسی جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سرہانے کھڑے ہو کر کہا کہ:

''اے خدا! میں تجھ کو حاضر ناظر جان کر تجھ سے سچے دل سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت احمدیت سے پھر جائے تب بھی وہ پیغام جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ تو نے نازل فرمایا ہے میں اس کو دُنیا کے کونے کونے میں پھیلاؤں گا۔''

''انسانی زندگی میں کئی گھڑیاں آتی ہیں۔ سُستی کی بھی، چستی کی بھی۔ علم کی بھی جہالت کی بھی۔ اطاعت کی بھی، غفلت کی بھی۔ مگر آج تک میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ میری گھڑی ایسی چُستی کی گھڑی تھی، ایسی علم کی گھڑی تھی، ایسی عرفان کی گھڑی تھی کہ میرے جسم کا ہر ذرّہ اس عہد میں شریک تھا اور اس وقت میں یقین کرتا تھا کہ دُنیا اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ مل کر بھی میرے اس عہد اور اس ارادہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ شاید اگر دُنیا میری باتوں کو سُنتی تو وہ اُن کو پاگل کی بڑ قرار دیتی بلکہ شاید کیا، یقیناً وہ اُسے جنون اور پاگل پن سمجھتی۔ مگر میں اپنے نفس میں اِس عہد کو سب سے بڑی ذمہ داری اور سب سے بڑا فرض سمجھتا تھا اور اس عہد کے کرتے وقت میرا دل یہ یقین رکھتا تھا کہ میں اس عہد کے کرنے میں اپنی طاقت سے بڑھ کر کوئی وعدہ نہیں کر رہا بلکہ خدا تعالیٰ نے جو طاقتیں مجھے دی ہیں، انہی کے مطابق اور مناسب حال یہ وعدہ ہے''۔

(الفضل 21جون 1944ء صفحہ 3)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) کی تحریر فرمودہ سوانح فضل عمر جلد دوم کی اشاعت 1988 میں ہوئی جس میں حضرت فضل عمر کے زمانہ خلافت کے ابتدائی سالوں کا جائزہ لیا گیا۔ نظام جماعت احمدیہ کی تشکیل و ترویج اور نظارتوں کا قیام۔ مجلس مشاورت کا باقاعدہ قیام، تحریک شُدھی اور مستورات کی تنظیم ''لجنہ اماء اللہ'' کے قیام کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

سوانح فضل عمر جلد سوم میں سے چند اقتباسات

سوانح فضل عمر جلد سوم مولانا عبدالباسط صاحب شاھد مربی سلسلہ کی تحریر کردہ ہے جس کی اشاعت 1995 میں ہوئی جس میں حضرت فضل عمر کے پہلے سفر یورپ۔ جنگ عظیم اوّل اور دوئم۔ حضرت فضل عمر کی خدمت قرآن۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت تحریک جدید اور وقف جدید کے قیام اور حضرت فضل عمر کے دعویٰ مصلح موعود کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''جہاں تک مَیں نے غور کیا ہے مَیں نہیں جانتا کیوں بچپن ہی سے میری طبیعت

میں تبلیغ کا شوق رہا ہے اور تبلیغ سے ایسا اُنس رہا ہے کہ میں سمجھ ہی نہیں سکتا۔ میں چھوٹی سی عمر میں بھی ایسی دُعائیں کرتا تھا اور مجھے ایسی حرص تھی کہ اسلام کا جو کام بھی ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو۔ میں اپنی اس خواہش کے زمانہ سے واقف نہیں کہ کب سے ہے میں جب دیکھتا تھا اپنے اندر اس کا جوش پاتا تھا اور دُعائیں کرتا تھا کہ اسلام کا جو کام ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو پھر اتنا ہو کہ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو جس میں اسلام کی خدمت کرنے والے میرے شاگرد نہ ہوں''۔

(منصب خلافت انوار العلوم جلد2 صفحہ 36.35)

مصلح موعود کی پیشگوئی اس بارہ میں خُدائی انکشاف اور پھر اس نشان کے پورا ہونے کا نہایت پرشوکت اور مؤثر رنگ میں حضرت المصلح الموعود نے بیان فرمایا۔ اور وہ نظارہ بہت رُوح پرور اور وجد آفرین تھا جب حضور نے اس مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چلہ کشی فرمائی تھی یہ اعلان فرمایا کہ:

''مَیں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس شہر ہوشیار پور میں سامنے والے مکان میں نازل ہوئی جس کا اعلان آپ نے اس شہر سے فرمایا......وہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے پوری ہو چکی ہے اور اب کوئی نہیں جو اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکے''۔

(الفضل 19فروری 1956)

آپ نے اپنے دعویٰ کے متعلق حلفیہ بیان دیتے ہوئے فرمایا:

''میں اسی واحد و قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے کبھی بچ نہیں سکتا کہ خدا نے مجھے اسی شہر لاہور میں 13 ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ مَیں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور مَیں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کے ذریعہ اسلام دُنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دُنیا میں قائم ہو گی۔''

(الفضل 15مارچ 1944)

سوانح فضل عمر جلد چہارم سے چند اقتباسات

سوانح فضل عمر جلد چہارم 2001 میں طبع ہوئی اس جلد میں حضرت فضل عمر کے سوانح کا تذکرہ آپ کی کامیاب و کامران زندگی کے اہم ادوار پر مشتمل ہے۔ جلسہ خلافت جوبلی 1939، قادیان سے ہجرت، نئے مرکز ربوہ کی تعمیر، ملی خدمات اور بین الاقوامی فورم پر لبنان، عراق اور انڈونیشیا کی آزادی کے لئے جماعت کی خدمات، مسئلہ فلسطین پر بروقت انتباہ اور جامع راہنمائی، ہندوستان کی تحریک آزادی کے مختلف مراحل اور تقسیم برصغیر کے موقع پر پیش آنے والے اہم واقعات اور استحکام پاکستان کے لئے مفید رہنمائی شامل ہیں۔

حضرت فضل عمرؓ فرماتے ہیں:

''مجھے اپنے لئے اس بحث کی کوئی ضرورت نہیں کہ کون سی آیت میری خلافت پر چسپاں ہوتی ہے یا نہیں میرے لئے خدا کے تازہ بتازہ نشانات اور زندہ معجزات اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے......اگر دُنیا جہان کی تمام طاقتیں مل کر بھی میری خلافت کو نابود کرنا چاہیں گی تو خدا ان کو مچھر کی طرح مسل دے گا۔ اور ہر ایک جو میرے مقابلہ میں اُٹھے گا گرایا جائے گا جو میرے خلاف بولے گا وہ خاموش کرایا جائے گا اور جو مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا وہ خود ذلیل اور رُسوا ہو گا۔

پس اے مومنوں کی جماعت! اور اے عمل صالح کرنے والو! میں تم سے کہتا ہوں خلافت خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جب تک آپ لوگوں کی اکثریت ایمان اور عمل صالح پر قائم رہے گی خدا اس نعمت کو نازل کرتا چلا جائے گا......پس خلیفہ کے بگڑنے کا کوئی سوال نہیں۔ خلافت اس وقت چھینی جائے گی جب تم بگڑ جاؤ گے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری مت کرو...... بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے تم دُعاؤں میں لگے رہو تا کہ قدرت ثانیہ کا پے در پے تم میں ظہور ہوتا رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اس ارشاد کا یہی مطلب تھا کہ میرے زمانہ میں تم دُعا کرو کہ میرے بعد تمہیں پہلی خلافت نصیب ہو اور پہلی خلافت میں دُعا کرتے رہو کہ اس کے بعد تمہیں دوسری خلافت ملے اور دوسری خلافت میں دُعا کرتے رہو کہ اس کے بعد تیسری خلافت ملے اور تیسری خلافت میں دُعا کرتے رہو کہ اس کے بعد تمہیں چوتھی خلافت ملے۔ ایسا نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کا دروازہ تم پر بند ہو جائے۔ پس ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہو۔ اور اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک تم میں خلافت رہے گی دُنیا کی کوئی قوم تم پر غالب

نہیں آسکے گی اور ہر میدان میں تم مظفر و منصور رہو گے۔ کیونکہ یہ خدا کا وعدہ ہے جو اس نے اس آیت میں کیا ہے۔''

(خلافت راشدہ۔ انوار العلوم جلد 15 صفحہ 593,592)

حضرت فضل عمر کی تصانیف

فضل عمر فاؤنڈیشن نے ان علمی خزانوں کی ضرورت واہمیت اور احباب جماعت کی خواہش و اصرار کے احترام میں حضور کی کتب ''انوار العلوم'' اور علوم و معارف کے بکھرے ہوئے خطبات ''خطبات محمود'' کے نام سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس سلسلہ کی بعض کتب ہمارے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ اس وجہ سے حضور کی تصانیف و تقاریر الگ پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔
یہاں یہ اعتراف بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی کتب کا خلاصہ و تعارف پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آپ کی تصانیف میں علوم و معارف کا اتنا ہجوم ہے کہ اس کا اپنے اپنے ظرف کے مطابق کسی قدر اندازہ انتہائی مفید و موثر کتب کو پڑھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ یہ روحانی ورثہ جو قرآن کریم کی ایسی تشریح و تفسیر ہے جس سے خاتم الکتب کی ارفع و اعلیٰ شان ظاہر ہوتی ہے۔ جس سے صاحب لولاکؐ کے بے مثال مقام کی توضیح و تبیین ہوتی ہے اتنا تنوع ہے کہ انہیں پڑھنے کے بعد یہی شعور و احساس حاصل ہوتا ہے کہ ان سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کا بار بار بالالتزام مطالعہ کیا جاتا رہے۔
تفسیر قرآن تو آپ کا مرغوب و پسندیدہ موضوع تھا۔ صاحب جوامع الکلم کے ارشادات کی حکمت و فلسفہ بیان کئے بغیر تو کوئی بھی سنجیدہ موضوع مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ ان معارف کے پہلو بہ پہلو علم تمدن، علم معاشیات، علم سیاست، علم مناظرہ، علم تاریخ و فلسفہ تاریخ علم نفسیات، علم زراعت علم صنعت و حرفت، علم تہذیب و اخلاق اور دوسرے مفید علوم آپ کی تصانیف و تقاریر کی پہچان ہیں۔ آپ کی تصانیف کی فہرست سوانح فضل عمر جلد چہارم صفحہ 472 تا 496 شامل ہے۔

سیدنا حضرت فضل عمر جلسہ سالانہ خلافت جوبلی (1939) کی تقریر میں بطور تحدیث نعمت فرماتے ہیں:

''میں وہ تھا جسے کل کا بچہ کہا جاتا تھا میں وہ تھا جسے احمق اور نادان قرار دیا جاتا تھا۔ مگر عہدہ خلافت کو سنبھالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآنی علوم اتنی کثرت کے ساتھ کھولے کہ اب قیامت تک امت مسلمہ اس بات پر مجبور ہے کہ میری کتابوں کو پڑھے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔ وہ کونسا اسلامی مسئلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ نہیں کھولا۔ مسئلہ نبوت، مسئلہ کفر، مسئلہ خلافت، مسئلہ تقدیر، قرآنی ضروری امور کا انکشاف، اسلامی اقتصادیات، اسلامی سیاست اور اسلامی معاشرت وغیرہ پر تیرہ سو سال سے کوئی وسیع مضمون موجود نہیں تھا۔ مجھے خدا نے اس خدمت دین کی توفیق دی اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ہی ان مضامین کے متعلق قرآن کے معارف کھولے جن کو آج دوست دشمن سب نقل کر رہے ہیں۔ مجھے کوئی لاکھ گالیاں دے، مجھے لاکھ برا بھلا کہے جو شخص اسلام کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے لگے گا اسے میرا خوشہ چیں ہونا پڑے گا اور وہ میرے احسان سے کبھی باہر نہیں جا سکے گا۔ پیغامی ہوں یا مصری ان کی اولادیں جب بھی خدمت دین کا ارادہ کریں گی وہ اس بات پر مجبور ہوں گی کہ وہ میری کتابوں کو پڑھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔ بلکہ میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ اس بارہ میں سب خلفاء سے زیادہ مواد میرے ذریعہ سے جمع ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ پس مجھے یہ لوگ خواہ کچھ کہیں خواہ کتنی بھی گالیاں دیں ان کے دامن میں اگر قرآن کے علوم پڑیں گے تو میرے ذریعہ ہی اور دنیا ان کو یہ کہنے پر مجبور ہو گی کہ اے نادانو! تمہاری جھولی میں تو جو کچھ بھرا ہوا ہے وہ تم نے اسی سے لیا ہے پھر اس کی مخالفت تم کس منہ سے کر رہے ہو۔''

(خلافت راشدہ۔ انوار العلوم جلد 15 صفحہ 587)

حضرت فضل عمر کا منظوم کلام

سوانح فضل عمر جلد اوّل میں حضرت المصلح الموعود کے منظوم کلام کے چند منتخب اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ حضور عمر بھر اس خدا داد ملکہ سے کام لیتے ہوئے جماعت کی تربیت و تلقین کے لئے اردو، عربی اور فارسی میں اشعار کہتے رہے ہر شعر میں کوئی پیغام ہے۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ ''کلام محمود'' کے نام سے شائع شدہ ہے جو کہ تقریباً چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ آپ کے کلام کی اثر پذیری اور افادیت کا اس امر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اشعار ایک لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود جماعت کے افراد میں آج بھی اسی طرح مقبول اور معروف ہیں جیسے آپ کی زندگی میں تھے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

مومن تو جانتے ہی نہیں بزدلی ہے کیا
اس قوم میں فرار کا دستور ہی نہیں

اے شعاعِ نور یوں ظاہر نہ کر میرے عیوب
غیر ہیں چاروں طرف ان میں مجھے رسوا نہ کر

فرزانوں نے دُنیا کے شہروں کو اُجاڑا ہے
آباد کریں گے اب دیوانے یہ ویرانے

ہے ساعت سعد آئی اسلام کی جنگوں کی
آغاز تو میں کر دوں انجام خدا جانے

ربوہ کو تیرا مرکزِ توحید بنا کر
اِک نعرۂ تکبیر فلک بوس لگائیں

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دُعا گو
کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دُعائیں

آہ کیسی خوش گھڑی ہو گی کہ بانیلِ مرام
باندھیں گے رختِ سفر کو ہم برائے قادیاں

جب کبھی تم کو ملے موقع دعائے خاص کا
یاد کر لینا ہمیں اہلِ وفائے قادیاں

محمود کر کے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار
روئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں

یہ عشق و وفا کے کھیت کبھی خوں سینچے بغیر نہ پنپیں گے
اس راہ میں جان کی کیا پرواہ جاتی ہے اگر تو جانے دو

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو! زورِ دُعا دیکھو تو

محمود اگر منزل ہے کٹھن تو راہ نما بھی کامل ہے
تم اُس پہ توکل کرکے چلو، آفات کا خیال ہی جانے دو

کیا ہوا تم سے جو ناراض ہے دُنیا محمود
کس قدر تم پہ ہیں الطاف خدا دیکھو تو

نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جانا

1914 سے شروع ہونے والا مبارک دور خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ کامیابی و کامرانی کی عظیم منزلیں طے کرتے ہوئے برابر آگے بڑھتا گیا۔ نصف صدی کی اس خوشگوار اور ایمان افروز داستان میں بعض نہایت مشکل اور کڑے وقت بھی آئے۔ خلافت ثانیہ کے بابرکت دور کے آغاز ہی میں قادیان سے تعلق منقطع کرنے والوں نے قادیان کی بعض عمارتوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ہم نے یہ عمارتیں خدمت اسلام کے لئے بنائی تھیں مگر جلد ہی ان پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ ایک اور طرف سے یہ آواز گونجتی ہوئی سنائی دی کہ جماعت کی اکثریت تو ہمارے ساتھ ہے۔ اقلیت جلد ہی ختم ہو جائے گی۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک بھاری بھرکم آواز یہ کہتے ہوئے سنی گئی کہ مینارۃ المسیح کی اینٹیں دریائے بیاس میں بہادی جائیں گی اور قادیان سے احمدیت کا نام ونشان تک مٹا دیا جائے گا۔ بعض لوگوں نے اپنی اس خوش فہمی کی بناء پر اپنے نام کے ساتھ ''فاتح قادیان'' لکھنا شروع کر دیا۔ ان شدید ترین مخالفتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے احیاء دین اور قیام شریعت کی خوشنما کونپل آہستہ آہستہ زمین میں مستحکم ہوتی گئی۔ اس کی جڑیں مضبوط اور اس کا تنا اور پھل پھول بڑھتے اور پھیلتے چلے گئے افریقہ کے متعدد ممالک، امریکہ کی متعدد ریاستیں، یورپ کے متمدن و مہذب ممالک ایشیاء اور آسٹریلیا کے مختلف مقامات احمدیہ خدمات سے استفادہ کرنے لگے۔ بیرونی ممالک میں تحریک جدید پھلنے پھولنے لگی۔ اندرون ملک اصلاح وارشاد اور وقف جدید کا اصلاحی جال طائران قدس کو اپنی طرف مائل کرنے لگا۔ مخالفوں کی مخالفتیں ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہوتی چلی گئیں اور احمدیت اپنے نیک اثرات دنیا بھر میں پھیلانے لگی۔ حضرت فضل عمر کا قائم شدہ نظام جس کی آپ نے لمبا عرصہ خود نگرانی اور حفاظت فرمائی قدرتی اور طبعی طریق سے ہمہ جہتی ترقی کرنے لگا اور احمدیت کا ہر آنے والا دن پہلے دن سے بہتر حالت پر طلوع ہوا۔ حضرت فضل عمر طبعی و بشری تقاضوں کے مطابق عمر کے آخری حصہ میں بیمار ہو گئے۔ آپ سے والہانہ محبت وعقیدت کی وجہ سے جماعت کے ہر فرد کو یہ بیماری بہت دکھ دینے والی اور بہت لمبی لگی مگر

اس میں بھی کئی مصالح اور فوائد مُضمر تھے۔

حضرت فضل عمر نے تحریر فرمایا:

"اے میرے خدا جو میرا حقیقی باپ اور آسمانی باپ ہے مجھے اپنے بچوں کی فکر نہیں ہے کہ وہ یتیم رہ جائیں گے۔ مجھے اس کی فکر ہے کہ وہ جماعت جو سینکڑوں سال بعد تیرے مامور نے بنائی تھی وہ یتیم رہ جائے گی۔"

(الفضل 22 مارچ 1955)

1953 کے قاتلانہ حملہ اور 1955 میں اعصابی کمزوری گھبراہٹ وغیرہ کے دورہ کے بعد ڈاکٹروں نے حضرت فضل عمر کو بغرض علاج اور آرام یورپ یا امریکہ جانے کا مشورہ دیا 23 مارچ 1955 کو سفر یورپ کے لئے قصر خلافت ربوہ سے روانہ ہوئے اور علاج کے بعد 5 ستمبر 1955 کو حضور انور بخیریت کراچی واپس تشریف لائے اور آپ کی صحت عارضی طور پر بحال ہونی شروع ہوئی 1957 میں آپ نے مجلس مشاورت کے تمام اجلاسات کی صدارت فرمائی اسی طرح 1960 تک آپ نے جلسہ سالانہ پر تقاریر فرمائیں۔ 1962-1961 کے جلسہ سالانہ پر حضور کی تقاریر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے پڑھ کر سنائیں۔ جلسہ سالانہ 1963 اور 1964 پر حضرت فضل عمر کے پیغامات حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے پڑھ کر سنائے۔ 1960 سے مسلسل حضرت فضل عمر بستر علالت پر رہے اور بیماری کے مختلف ادوار آئے لیکن 1965 میں آپ کی صحت مسلسل خراب رہنی شروع ہوئی اور صحت زیادہ بگڑنی شروع ہوئی 8 نومبر 1965 کو حضرت فضل عمر کی آخری بیماری کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا:

"ہمارے نہایت ہی پیارے امام میرے محبوب روحانی اور جسمانی باپ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی کی بیماری کے آخری چند لمحات کی یاد ایک نہ مٹنے والا نقش ہے...... تمام اعزاء اور اقرباء بھی سب اردگرد اکٹھے تھے۔ سب کے ہونٹوں پر دُعائیں تھیں اور سب کی نظریں اس مقدس چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ سانس کی رفتار تیز تھی اور پوری بے ہوشی طاری تھی چہرے پر کسی قسم کی تکلیف یا جدوجہد کے آثار نہ تھے۔ میں نے کسی بیمار کا چہرہ اتنا پیارا اور ایسا معصوم نظر آتا ہوا نہیں دیکھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس حالت میں ہم کتنی دیر کھڑے رہے اور سانس کی کیفیت میں وہ کیا تبدیلی تھی جس نے ہمیں غیر معمولی طور پر چونکا دیا...... میں نے سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی...... سورہ یٰسین کی تلاوت کے دوران ہی میں سانس کی حالت اور تشویشناک ہو چکی تھی اور تلاوت کے اختتام تک زندگی کی کشمکش کے آخری چند لمحے آ پہنچے تھے...... تقریباً بیس منٹ کے بعد حضور کو اپنے آسمانی آقا کا آخری بلاوا آ گیا اس وقت کا منظر اور کیفیت ناقابل بیان ہیں۔ ہم نے آسمان سے صبر اور سکینت کو اپنے قلوب پر نازل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور یوں محسوس ہوا جیسے ضبط و تحمل کی باگ ڈور فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ آنکھوں سے آنسو ضرور جاری تھے اور دلوں سے دعائیں بھی بدستور اُٹھ رہی تھیں مگر سب دِل کامل طور پر راضی برضا اور سب سر اپنے معبود، خالق و مالک کے حضور جھکے ہوئے تھے۔ ہم ٹکٹکی لگا کر اسی طرح خدا جانے کب تک اس پیارے چہرے کی طرف دیکھتے رہے جسے موت نے اور بھی زیادہ معصوم اور حسین بنا دیا تھا"

(سوانح فضل عمر جلد چہارم صفحہ 532 تا 535)

8 نومبر 1965 کو یہ دور تکمیل کو پہنچا۔ اس دور کی غیر معمولی کامیابیوں کے پس پردہ یقیناً خدائے قادر و توانا کا مضبوط ہاتھ تھا۔ سوانح فضل عمر حصہ چہارم صفحہ 543 تا 545 میں حضرت فضل عمر کی حیات طیبہ پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔

سوانح کا زیرِ نظر جلدوں میں حضرت فضلِ عمر کی زندگی کے مختلف ادوار کا کسی قدر احاطہ کیا گیا ہے۔ تاہم اس فدائی ملت کے کارنامے مرور زمانہ کے ساتھ مدہم ہونے کی بجائے زیادہ نمایاں ہوتے چلے جائیں گے اور اس موضوع پر تحقیق و تحریر کا کام بھی ہمیشہ جاری رہے گا۔

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سُستیاں ترک کرو طالب آرام نہ ہو

مٹ جاؤں میں تو اس کی پروا نہیں ہے کچھ بھی
میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملّت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

(کلام محمود)

حضرت مصلح موعود کی سیرت مبارکہ کا احاطہ کرنا سہل نہیں ہے۔ سوانح فضل عمر جلد پنجم جس کی اشاعت 2004 میں ہوئی میں آپ کی سیرت کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور 565 صفحات پر مشتمل اس جلد میں سیرت مصلح موعود کے نمایاں پہلوؤں کی بعض مثالیں دی گئی ہیں۔ جن میں محبت الٰہی، عشق رسولؐ، قبولیت دُعا، مخالفوں سے حُسنِ سلوک، آپ کا علمی ذوق، تبلیغ دین، تربیت کے انداز، مہمان نوازی، خدمت خلق، حضور کے بعض سفروں کے واقعات، حضور کے بعض خطوط پر اور بعض دیگر حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ محنت کی عادت۔ عائلی زندگی حضرت فضل عمر کی شادیوں اور مبارک اولاد کی تفصیل دی گئی ہے اور زندگی کے بعض دوسرے دریچے کھولے گئے ہیں۔ آپ کی حیات مبارکہ اور سیرت طیبہ احباب جماعت کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ جس سے ہم اپنی منزل کا تعین کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مشعلِ راہ سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی سیرت کے نور سے ہمارے سینے روشن کر دے۔ آمین.

سوانح فضل عمر حصہ پنجم سے چند اقتباسات

سوانح فضل عمر جلد پنجم میں حضرت فضل عمر کی حیات مبارکہ سے متعلق مختلف ادوار کی 120 نادر اور نایاب تصاویر شامل کی گئیں ہیں جنہیں ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن نے انتہائی کوشش اور محنت سے اکٹھا کیا ہے۔ نیز حضرت فضل عمر کی ایک نادر تحریر کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے۔

حضرت فضل عمر تحریر فرماتے ہیں:

''اے عزیزو! اب میں اپنے خط کو ختم کرتا ہوں مگر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صاف کپڑے کی نگہداشت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے میلے پر اور میل بھی لگ جائے تو اس کا پتہ نہیں لگتا۔ پس اپنے آپ کو صاف رکھو تا قدوس خدا تمہارے ذریعہ سے اپنے قدس کو ظاہر کرے اور اپنے چہرہ کو بے نقاب کرے۔ اتحاد، محبت، ایثار، قربانی، اطاعت، ہمدردیٔ بنی نوع انسان، عفو، شکر، احسان اور تقویٰ کے ذریعہ سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کا ہتھیار بننے کے قابل بناؤ۔ یاد رکھو تمہاری سلامتی سے ہی آج دین کی سلامتی ہے اور تمہاری ہلاکت سے ہی دین کی ہلاکت۔ دُنیا تم کو تباہ کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر مجھے اس کا فکر نہیں۔ اگر تم خدا کو ناراض کر کے خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کر لو تو دُنیا تم کو ہلاک نہیں کر سکتی کیونکہ خدا نے تم کو بڑھنے کے لئے پیدا کیا ہے نہ ہلاک ہونے کے لئے۔''

(الحکم 14/اگست 1924)

آئندہ نسلوں کی تربیت و راہنمائی بھی حضور کے مدنظر تھی اس کے متعلق ایک اور موقع پر فرمایا:

''اس میں شک نہیں کہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق ہزار سال قبل بھی غور کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً ابھی ہمیں حکومت نہیں ملی مگر اس کے قواعد اور طریق نظم و نسق کے متعلق میری کتابوں میں بحثیں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہمیں جو نور ملا ہے اسے بعد میں آنے والوں کی نسبت ہم زیادہ اچھی طرح پیش کر سکتے ہیں اور چونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے ہم اسے پیش کرتے رہتے ہیں تا آئندہ نسلوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ کیونکہ اس بارہ میں وہ ہماری رہنمائی کی بہت زیادہ محتاج ہیں۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1940 صفحہ 32)

خدا تعالیٰ نے حضرت فضل عمر کو ایسی کامیاب زندگی سے نوازا جو دُنیا میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے حضور اپنی زندگی کے گزرے ہوئے ایام کو ذہن میں لاتے ہوئے بطور تحدیث نعمت فرماتے ہیں:

''خدا نے ایک ایک کر کے مجھے سچائیوں کے قائم کرنے کا موقع دیا ہے۔ ایک منٹ کے لئے بھی میں شبہ نہیں کر سکتا کہ مجھ سے ان معاملات میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ بلکہ خواہ مجھے ایک کروڑ زندگیاں دی جائیں اور ایک کروڑ دفعہ مر کر میں پھر اس دنیا میں واپس آؤں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ میں پھر بھی اسی طرح ان صداقتوں کی تائید کروں گا جس طرح گزشتہ زندگی میں کرتا رہا ہوں میرے لئے سب سے بڑا فخر یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ تعلیمیں جنہیں بعض لوگ مٹانے کی فکر میں تھے، جنہیں بعض لوگ دبانے کی فکر میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے ذریعہ زندہ کیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام کے لئے آسمان سے نہیں اُترتا وہ اپنے کسی بندے کے ہاتھ کو ہی اپنا ہاتھ قرار دیتا اور اپنے کسی بندے کی زبان کو ہی اپنی زبان قرار دے دیتا ہے۔ تب اُس کا ہاتھ جو کچھ کرتا ہے وہ درحقیقت خدا ہی کرتا ہے اور اُس کی زبان جو کچھ کہتی ہے وہ درحقیقت خدا ہی کہہ رہا ہوتا ہے پس مجھے خوشی ہے کہ اس ہاتھ کے بلند کرنے کے لئے خدا نے اپنے فضل سے مجھے چن لیا اور جو کچھ وہ عرش سے کہہ رہا تھا اسے اس نے میرے ذریعہ سے دنیا میں پھیلایا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

تعلیم کو ایسے طور پر قائم کر دیا کہ ان مسائل کے متعلق دشمن اب کسی طرح حملہ نہیں کر سکتا۔"

(الفضل 12 جون 1944 صفحہ3)

ایک اور جگہ حضور فرماتے ہیں:

"جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، جب لوگ میرے کاموں کی نسبت ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں گے، جب سخت دل سے سخت دل انسان بھی جو اپنے دل میں شرافت کی گرمی محسوس کرتا ہوگا ماضی پر نگاہ ڈالے گا، جب وہ زندگی کی ناپائیداری کو دیکھے گا اور اس کا دل ایک نیک اور پاک افسردگی کی کیفیت سے لبریز ہو جائے گا اس وقت وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ مجھ پر ظلم کیا گیا اور میں نے صبر سے کام لیا حملہ پر حملہ کیا گیا لیکن میں نے شرافت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اگر اپنی زندگی میں مجھے اس شہادت کے سننے کا موقع میسر نہ آیا تو میرے مرنے کے بعد بھی یہ گواہی میرے لئے کم لذیذ نہ ہوگی۔ یہ بہترین بدلہ ہوگا جو آنے والا زمانہ اور جو آنے والی نسلیں میری طرف سے ان لوگوں کو دیں گی اور ایک قابل قدر انعام ہوگا جو اس صورت میں مجھے ملے گا۔"

(انوار العلوم جلد 10 صفحہ 323)

سوانح فضل عمر کے اس تعارف کو حضور کے ہی الفاظ پر ختم کیا جاتا ہے:

"پس میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اپنی عظمت اور اپنے جلال اور اپنی بے انتہاء قدرتوں کا مظہر بنا دے اور اس کی شان اور عظمت تمام دنیا اور اس کے ہر گوشہ میں ظاہر ہو اور خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے لئے اور اس کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر دیں اور ہماری نسلوں کو بھی توفیق عطا فرما دے اور کوئی وسوسہ ہمیں اس سے جدا نہ کر سکے۔ وہ ہمارا ہو اور ہم اس کے ہو جائیں اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن"۔

(الفضل 3 جنوری 1925 صفحہ 11)

میری تو حق میں تمہارے یہ دُعا ہے پیارو
سر پہ اللہ کا سایہ رہے ناکام نہ ہو
ظلمتِ رنج و غم و درد سے محفوظ رہو
مہرِ انوار درخشندہ رہے شام نہ ہو

(کلامِ محمود)

دُعا کی اہمیت اور آداب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے تعلق کے لئے بہت سے سامان ہیں پھر بھی بہت سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ ان وسوسوں سے بچنے کے لئے ایک ذریعہ دُعا ہے۔۔۔ پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہوتے تھے کہ فلاں دیو نے فلاں لڑکے کو ایک ایسی چیز دی جس میں سے جو چاہو نکل آتا تھا مگر یہ تو جھوٹ ہے۔ ہاں ایک خزانہ ایسا ہے جس میں ہاتھ ڈالیں تو جو چاہیں مل سکتا ہے۔ وہ خزانہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس خزانہ کے حاصل کرنے کا دروازہ دُعا ہے۔ دُعا کے ذریعہ سب کچھ مل سکتا ہے۔ دُعا بڑا زبردست آلہ ہے۔۔۔

ایک دفعہ ایک شخص نے مجھے خط لکھا کہ مَیں چھ سال سے شادی کی کوشش کر رہا ہوں مگر نا کام ہوں آپ میرے لئے دعا کریں۔ مَیں نے اس کے لئے دعا کی تو مجھے معلوم ہوا کہ قبول ہوگئی۔ مَیں نے اس شخص کو خط لکھا۔ اس کا جواب آیا کہ جس وقت آپ کا خط آیا اُسی وقت یہاں کا ایک رئیس میرے گھر آیا اور کہا کہ میری لڑکی جوان ہے اور مَیں اس کی شادی تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔

پس خدا دُعاؤں کو ایسے طور پر سنتا ہے کہ ناواقف کو یقین ہی نہیں ہوتا۔ اگر ہمیں رزق کی ضرورت ہے تو خدا رازق ہے اور اگر ہمیں پردہ پوشی کی ضرورت ہے تو خدا کا نام ستّار ہے اور اگر عزت کی ضرورت ہے تو خدا کا نام مُعِز بھی ہے۔ پس دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ خدا کے ناموں میں نہ پائی جائے۔۔۔ اب مَیں چند دُعا کے قبول ہونے کے طریق بیان کرتا ہوں۔

(1) پہلی بات یہ ہے کہ حرام مال کھانے والے کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہمیشہ پاک مال کھانا چاہئے۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ دُعا کرنے والا توجہ سے دعا کرے اور یقین رکھے کہ خدا فضل اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر توجہ سے کرے تو ضرور قبول ہوگی۔

(3) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح دُعا مانگنی ہو تو اسی نام سے مانگا کرو۔ مثلاً پرورش میں کچھ نقص ہو تو دعا کرے اے ربّ مجھے پاک کر اور جب رزق مانگے تو کہے کہ اے رزاق مجھے رزق دے۔ جب تم اس کے ناموں سے دعا مانگو گی تب خدا بہت دعائیں سنے گا۔

(4) دعا مانگنے والا لوگوں پر خود بھی رحم کرے تو خدا اس کی دعا کبھی ردّ نہیں کرتا کیونکہ خدا کو غیرت آجاتی ہے کہ جب یہ بندہ دوسرے کی درخواست ردّ نہیں کرتا تو مَیں بادشاہ ہو کر کیوں ردّ کروں۔

(الازھار لذوات الخمار۔ صفحہ 50-51)

ایک دلچسپ و یادگار ادبی شام

راجہ ناصر احمد

اقلیمِ سخن کے سالار جناب پروفیسر پرویز پروازی امریکہ میں موجود ہوں اور ان کے شاگرد پذیرائی کے لئے کوئی محفل بپا نہ کریں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ چنانچہ یہ سعادت بھی واشنگٹن میٹروپولیٹن میں فروغِ شعروادب میں پیش پیش تنظیم 'مالا' (Mid-Atlantic Association for Literature Appreciation) کے جناب ناصر جمیل کے حصے میں ہی آئی جنہوں نے 8 ستمبر 2007 کی شام تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے طلباء اور اُردو داں طبقہ کے احباب کو ایک مقامی ریسٹورنٹ میں مدعو کر کے بھولی بسری یادوں کی شمع پھر سے فروزاں کرنے کا موقع فراہم کیا۔ جناب پروازی صاحب کے ساتھ یہ شام ان کے دوست احباب اور قدر دانوں کے لئے نایاب موقع تھا جو دور و نزدیک سے شریکِ محفل ہوئے۔ اس محفل کی صدارت محترم مولانا سید شمشاد احمد صاحب ناصر نے کی اور سیکریٹری کے فرائض جناب ناصر جمیل کے سپرد کئے گئے۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد آغازِ محفل جناب سفیر الحق رامہ صاحب (ورجینیا) نے پروازی صاحب سے متعلق لکھے گئے ایک مضمون سے کیا۔ یہ مضمون جناب پروفیسر شریف احمد خان صاحب نے سپردِ قلم کیا تھا مگر وہ کسی مجبوری کے باعث اس محفل میں شمولیت سے قاصر رہے۔ جناب خان صاحب نے کالج کے دنوں کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے پروازی صاحب کے ساتھ بطور ہم کار گزارے ہوئے لمحات اور آپ کی شخصیت کے بارے میں بڑے ہلکے پھلکے مگر دلچسپ اور اچھوتے انداز میں اظہارِ رائے کیا۔ جناب خان صاحب کے سادہ اور بے تکلف اندازِ تحریر کو حاضرین نے بے حد پسند کیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسی تحریریں بہت کم سننے کو ملتی ہیں۔ اسکے بعد خاکسار راجہ ناصر احمد نے جناب پروازی صاحب کی شخصیت، ادبی خدمات اور کلام کے بارے میں ایک مختصر مضمون سے سامعین کو محظوظ کیا اور جناب پروازی صاحب کے رنگِ تغزل اور مشاہدہ کی گہرائی پر مبنی اشعار سامعین کے گوش گزار کئے۔ چند اشعار قارئین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہیں:۔

جان پر کھیل گئے عشق میں جیتے جیتے ‏— عمر گھل جاتی ہے اس زہر کو پیتے پیتے

دلوں میں سوزِ محبت نظر میں حسنِ جمیل ‏— یہی ہے اہلِ طریقت کی زندگی کی دلیل

خوئے تسلیم یہی ہے سرِ تسلیم ہو خم ‏— اور حد کوئی نہیں حدِ ادب سے آگے

پسِ ظلمت کوئی سورج بھی چلا آتا ہے ‏— شبِ ظلمت ہی نہیں ظلمتِ شب سے آگے

زمانہ تھک گیا آنے کی راہ تکتے ہوئے ‏— مکینِ چرخِ چہارم اب آسماں سے نکل

یہ آسماں پہ کوئی ہے نہ کوئی آئے گا ‏— حدیثِ عقل کو سن نرغۂ گماں سے نکل

بعد ازاں جب شمعِ محفل جناب پروازی صاحب کے سامنے پہنچی تو آپ نے حاضرین کو اپنے تازہ کلام سے مستفیض کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تازہ کتاب میں پیش کردہ دلچسپ و مفید اور قیمتی معلومات سے بھی سامعین کو آگاہ کیا۔ یہ کتاب جماعت احمدیہ کے بارے میں تقریباً چھ صد آپ بیتیوں میں پائے جانے والے اعتراضات اور غلط بیانیوں کے رد میں سپردِ قلم کی گئی ہے۔ یہ ایک عظیم کام تھا جسے جناب پروازی صاحب نے تن تنہا سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ امید ہے یہ کتاب اہلِ علم طبقہ کے لئے ایک قیمتی ماخذ و سرمایہ ثابت ہوگی۔

یہ پررونق تقریب جناب پروازی صاحب کے شکریہ اور ان کی صحت و سلامتی کی دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

In the Name of Allah, Most Gracious, Ever Merciful
International Press and Media Desk
AHMADIYYA MUSLIM ASSOCIATION
22 Deer Park, London, SW19 3TL
Tel / Fax 020 8544 7613 Mobile 07795460318
press@ahmadiyya.org.uk

21 January 2008

PRESS RELEASE

STATEMENT:

HADHRAT MIRZA GHULAM AHMAD OF QADIAN IS THE PROMISED MESSIAH AND MAHDI AS PROPHESISED BY THE HOLY PROPHET OF ISLAM

THE AHMADIYYA MUSLIM JAMA'AT RESPONDS TO FALSE CLAIMS MADE IN '*THE JAKARTA POST*'

The Ahmadiyya Muslim Jama'at (AMJ) has responded to an article printed in '***The Jakarta Post***'[1] which made a number of false claims about the Community. The article which was printed under the headline '***Govt spares Ahmadiyah with no ban***' stated that the Indonesian Government had chosen not to ban the Ahmadiyya Jama'at due to an apparent reversal, by the Ahmadiyya Jama'at, regarding the status of its Founder, Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian.

Speaking about the article and clarifying the position of the Ahmadiyya Jama'at, the central Press Secretary, Abid Khan said:

"On behalf of the Ahmadiyya Jama'at I would like to state that we are very disappointed by the aforementioned article printed in The Jakarta Post. This article suggested that our Community had, God forbid, changed its position regarding the status of Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian.

To clarify, it is an inherent part of our faith and belief that Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian is the Promised Messiah and Mahdi (Guided One). Every true Ahmadi Muslim shares the same belief that the Founder of the Community is the same Messiah and Mahdi whose advent was foretold by the Holy Prophet of Islam.

The Holy Prophet Muhammad (peace and blessings be upon him) was the final law bearing Prophet and he brought a complete and perfect teaching. Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad was the true Promised Messiah and Mahdi, who came to rejuvenate the message of Islam and therefore we most certainly recognise and accept him as a true Prophet of God Almighty.

It is hoped that The Jakarta Post recognises and rectifies the mistakes it made in the aforementioned article."

Ahmadiyya Muslim Association

The Ahmadiyya Muslim Association has prospered throughout the world expounding and practising its motto '***Love for All, Hatred for None***'.

Further Information regarding the AMJ can be found at Alislam.org

End of Release
Press Secretary: Abid Khan (07795460318)
International Press and Media Desk